اکلاج حضرت مولانا خاموش مدظلہ
آگرہ۔ جون ۱۹۴۷ء

میاں سہیل اشرف سلمہ
نبیرۂ آلف اکبرآبادی

ہز ہائینس مہاراجہ موتی سنگھ رحمۃ اللہ علیہ

والئی ریاست راجگڑھ سنٹرل انڈیا (مالوہ)

ریاست راجگڑھ

یہ ریاست سنٹرل انڈیا میں ۱۵ لاکھ سالانہ آمدنی کی بھوپال سے اسّی میل اُترا ور پچھم کے کونہ میں ہے اندور۔ کوٹہ۔ نرسنگھ گڑھ اور بھوپال کی سرحدیں اس سے ملتی ہیں۔ سرسبز پہاڑ اور ندیاں ریاست میں بہت ہیں جنگلات کی اچھی آمدنی ہے۔ راجہ صاحب خود مختار ہز ہائینس ہیں۔ راجپوت ہیں ان کی رشتہ داری کوٹہ۔ بوندی اور اُدے پور وغیرہ سے ہے۔

۱۸۷۳ء میں نوجوان راجہ صاحب موتی سنگھ جی اس ریاست کی گدی پر تھے مگر بڑے کٹر قسم کے ہندو تھے مسلمانوں سے اُن کو بڑی نفرت تھی۔ راجہ صاحب کا حکم عام تھا کہ سوا پہر دن چڑھے تک کسی مسلمان کی صورت ان کو دیکھنے کا موقعہ نہ دیا جائے۔

جب کبھی غلطی سے کوئی مسلمان ان کو سوا پہر دن چڑھے سے پہلے نظر پڑ جاتا تھا تو وہ اس کے کفارہ یا پراسچت میں دن بھر کا "مون برت" یعنی روزہ

خاموش رکھتے تھے اور کئی قسم کے اشنان اور پوجائیں ان کو کرنی پڑتی تھیں۔
ایک دن راجہ صاحب بڑے سویرے چند سوار باڈی گارڈ کے ساتھ شکار کی نیت سے نکلے خدا کا کرنا کہ ایک مسلمان پنجارہ (ندافت) کہیں بہت تڑکے پاخانہ پیشاب کی غرض سے جنگل گیا ہوا تھا وہاں سے لوٹ کر وہ ندی سے وضو کر کے نماز کے واسطے کسی پاس کی مسجد کی طرف جا رہا تھا راجہ موتی سنگھ جی کی نگاہ اس پر پڑ گئی پوچھنے سے ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ مسلمان ہے بس پھر کیا تھا آگ بگولہ ہو گئے راجہ با اختیار ریاست کے مالک تھے اُن کا غصہ دیکھ کر نوکروں نے غریب اور بے قصور پنجارے کو مارنا شروع کیا اور یہاں تک پیٹا کہ وہ بیدم ہو کر زمین پر بیہوش ہو گیا اور گر گیا۔ بعد میں جب پنجارے کی بیوی بچوں کو خبر ملی تو کھاٹ پر ڈال کر اُسے گھر لے گئے اور سب گھر والے ملکر رونے لگے اور راجہ کو بد دعائیں دینے لگے۔
تھوڑے دنوں کے بعد اس پنجارے نے ریاست راجگڈھ سے ہجرت کر لی اور بھوپال کی ریاست کے کسی گاؤں میں آباد ہو گیا۔

اللہ میاں کا غصہ

معلوم ہوتا ہے کہ راجہ صاحب کی یہ حرکت کہ ایک بے گناہ رعایا کو اس طرح ستایا کہ غریبوں کے منھ سے ہائے نکلی اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور اس نے راجہ پر ایک عذاب بھیجدیا۔
وہ یہ کہ راجہ صاحب کو ایک ایسی بیماری لگ گئی جس کی پہچان یا

تشخیص نہ ڈاکٹروں سے ہو سکی اور نہ حکیم اور ویدوں سے۔

بیماری یہ تھی کہ راجہ صاحب پر ایسے دورے پڑنے لگے کہ اُن کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے سارے بدن میں بچھو کاٹ رہے ہیں وہ درد کی شدت سے سارے محل میں لوٹتے پھرتے اور جب برداشت نہ ہوتی تو چاہتے تھے کہ خودکشی کرلیں۔ اس لئے جب اُن پر دورہ پڑتا تھا محل کے اسی کمرے سے ہر قسم کے ہتھیار ہٹادیا کرتے تھے اور وہ اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ راجہ صاحب کسی چھری کٹار خنجر یا پستول سے اپنا خاتمہ نہ کرلیں۔

راجہ صاحب نے اپنا علاج ملک کے نامی ڈاکٹروں سے کرایا لاکھوں روپیہ فیس کے دیئے۔ حکیم محمود خاں صاحب دلّی والوں کو ایک ہزار روپیہ روز فیس پر بلوایا۔ بڑے ویدوں سے رجوع کیا مگر کچھ نہ ہوا سب نے کہا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سی بیماری ہے ہم علاج کیا کریں۔

جب راجہ صاحب دوا علاج سے تھک گئے تو سادھوؤں اور فقیروں سے مخاطب ہوئے بہت سے سادھو سنت بڑے بڑے نذرانے دے کر بلا کر مہینوں رکھے گئے۔ پنڈتوں کو بلا کر بڑے بڑے ہون اور یگ کرائے گئے مگر بیماری میں تل بھر فرق نہ آیا۔

غیبی انتقام

ایک دن راجہ صاحب کے ایک منہ لگے ہوئے خاص خدمت گذار جاں نثار نے راجہ سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اگر حکم معافی ہو تو میں ایک بات عرض

کروں۔ راجہ صاحب نے فرمایا معاف کیا کہہ تو کیا کہنا چاہتا ہے۔

خدمتگار نے عرض کیا سرکار نے سب کچھ کرلیا مگر بیماری نہ جانی تھی نہ گئی۔ کل سے میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ نیوج ندی کے کنارے ایک مسلمان فقیر پڑا ہوا ہے۔ رات دن نماز میں رہتا ہے کسی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا کسی نے کچھ دے دیا تو کھالیا اور نہ دیا تو کسی سے کچھ مانگتا نہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ اس کے ہاتھوں سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ان چمکاروں کو دیکھکر دنیا ٹوٹی پڑتی ہے میرا من بول رہا ہے کہ اگر اس سے دُعا کرائی جائے تو اس کے اسیس سے سرکار کا دُکھ دور ہوسکتا ہے آگے جیسے مرضی سرکار کی سیوک کا کام عرض کرنا ہے۔

راجہ صاحب نے کہا کہ فقیر مسلمان ہے میرے سارے عمر کا پرن (عہد) ٹوٹتا ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا اچھا یہ بھی کر دیکھو مگر وہ یہاں آ دیگا بھی؟ خدمتگار نے کہا یہی تو مشکل ہے وہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں چاہتا سنسار کے لالچ یا دنیاوی طمع کو وہ پہلے ہی چھوڑ چکا ہے پھر اس کے لئے راجہ اور میں سیوک برابر ہیں۔

راجہ صاحب نے کہا خیر ایشور نے جو بھاگ میں لکھا ہے پورا ہو کر رہیگا میں ہی اس کی کُٹی پر حاضری دوں گا شاید مالک میرا کشٹ دُور کردے۔

اس بات کا چرچا سارے محل میں پھیل گیا اور رانیوں نے بھی یہی کہا کہ ضرور جانا چاہیے آخر یہ بات کیوں رہ جائے شاید اسی سے یہ جیو لیوا دُکھ جاتا رہے۔

چنانچہ ایک صبح کو راجہ صاحب اپنے خدمتگار کے ساتھ صبح گجردم

اس فیصلہ کے آجانے پر سارے خاندان اور کنبے کے چراغ ٹھنڈے ہوگئے اور سب نا اُمید ہو کر بیٹھ رہے۔ نواب صاحب اطمینان سے راج کرنے لگے۔ ایک عالم ملازم رکھا جو اُن کو نماز روزہ اور دیگر ضروری شرعی مسائل سے آگاہ کرتا رہے۔

نواب صاحب نے اپنے رہنے کی حویلی میں دو مسجدیں بنائیں جہاں اکثر نماز پڑھتے۔ مکان سے ملی ہوئی جگہ باغ کے وسیع صحن میں ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

راج گڈھ میں اسلامی حکومت

نواب صاحب نے اسلام کافی قربانیاں دے کر پایا تھا اس لئے وہ ان کو بڑا عزیز تھا۔ دوسرے پیارے شاہ صاحب کی فیض صحبت نے ان کو کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ رات دن عبادت سے کام تھا۔ دور دور سے علماء اور درویش آنے لگے اور نواب صاحب کی فیاضیوں سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

حج کے لئے سمندر کا سفر

۱۸۷۸ء

راجہ موتی سنگھ جی (عرف) نواب عبدالواسع خاں صاحب مع اپنے ۷۵ ساتھیوں کے حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ۴۰ دن کے دریائی سفر کے بعد جدہ پہنچ گئے۔ راستہ میں کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس کو لکھنے والے لکھتے صرف اتنا

معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے درود تاج کی عبارت ہندی حرفوں میں لکھ لی تھی بس اس کا وظیفہ جاری رہا۔ نواب صاحب نے جونہیں جدّہ بندر کی زمین پر قدم رکھا ان کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی نظر آنے لگی۔ کبھی ہنستے کبھی روتے، کبھی یہ گا گا کر وجد کرنے لگتے "دسکھی ری دیکھو میں تو آگئی پیا کے دیس"!

نواب صاحب نے اپنے ہمراہیوں اور ملازموں سے فرمایا، یہ سب تو جو کچھ ہوا اچھا ہوا اور جو ہو رہا ہے خوب ہو رہا ہے مگر کوئی یہ تو بتائے کہ میں پاخانہ پیشاب کو کہاں جاؤنگا سب نے جواب دیا کہ جہاں اور دنیا جاتی ہے فرمایا واہ دنیا تو اندھی ہے میری آنکھیں میرے مُرشد نے کھول دی ہیں مجھے تو یہ سرزمین انوارِ الٰہیہ سے بھرپور نظر آرہی ہے بھلا یہ بے ادبی مجھ سے کب ہوگی کہ میں اس مقدس زمین پر نجاست ڈالوں۔ نواب صاحب کے ہمراہی علماء نے کہا کہ شرعاً اجازت ہے آپ اس کا خیال نہ فرمائیں۔ نواب صاحب نے فرمایا شرع اجازت دیا کرے عشق و محبّت کا بادشاہ تو حکم نہیں دیتا۔ اسی حیث بحث میں ۲۴ گھنٹہ گزر گئے نواب صاحب بغیر رفع حاجت بیمار ہو گئے۔ آخر علماء اور عقلاء نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ بول و براز (پاخانہ پیشاب) برتنوں میں رکھتے اور سمندر میں پھکوا دیتے حتیٰ کہ مدینہ منورہ سے جدہ تک اونٹوں کی ڈاک بیٹھ گئی۔

مدینہ منوّرہ اور مکہ شریف میں رہنے کے مفصل حالات کسی نے لکھے نہیں بس یہ معلوم ہو سکا کہ سلطان ٹرکی نے ایک خواب دیکھا جس میں حضورِ صلعم نے حکم دیا کہ ہمارے عاشق کی قدر اور عزت کرو۔ چنانچہ وہاں سے شریف مکہ اور گورنر مدینہ کو حکم ملا کہ نواب صاحب کے اعزاز میں آنے جانے کے وقت سلامی توپ سے

دی جایا کرے۔

بندرگاہ جدّہ کی خاص محفل

راجہ صاحب کا قافلہ حج جب جہاز سے جدہ کی سرزمین پر اترا اور رفتہ رفتہ عربوں میں یہ خبر پھیلی کہ ایک ایسا نومسلم امیر حج کرنے آیا ہے جو اللہ رسول کا ایسا عاشق ہے کہ وہ اس زمین پر پاخانہ پیشاب کرنے سے احتراز کرتا ہے تو ان میں سے ہزاروں صاحب عقل و ہوش جمع ہوئے اور راجہ صاحب سے کہا کہ آپ یہ بدعت کیوں پھیلا رہے ہیں جس کا پتہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ کسی بزرگ کی زندگی میں سنا گیا ہے تو راجہ صاحب نے عربوں کے ایک بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر ذیل کی تقریر کی جس کا ترجمہ علمائے ہند نے عربوں کو عربی میں سنا دیا جس کو سنکر سب خاموش ہو گئے اور اسی رائے سے متفق ہو گئے کہ راجہ صاحب کا بول و براز سمندر میں پھینکا جایا کرے۔

تقریر

سرکار مدینہ کے وطن میں بسنے والو! واجب التعظیم بزرگو۔ آپ لوگوں کا یہ فرمانا ٹھیک ہے کہ اسلام کے شرع میں نقصان یا ناقابل عمل بوجھ ڈالنا منع ہے اور ایسی چیز بہ تعظیم اور عجیب قسم کا ادب نہ کرنا چاہئے۔ مجھے جزم ہے کہ شرع شریف ایسا جبریہ قانون کبھی نہیں بناتی جس پر ہر قسم کی مخلوق نہ چل سکے۔ مگر میں کیا کروں مجبور ہوں میرا دل دوسرے کے بس میں ہے۔ اپنا دل دماغ ہاتھ پاؤں آنکھ اور کان

سب مرشد کے ہاتھ بیچ چکا ہوں، اُن کا قبضہ میرے سب اعضاء پر ہے۔ وہ جس راستہ چاہتے ہیں چلاتے ہیں۔ اُن ہی کے حکم سے میں یہاں آیا ہوں جدّہ کی زمین پہ پاؤں رکھنے سے ایک رات پہلے مجھے اپنے گرو مرشد یا استاد نے خواب میں فرمایا" بیٹا موتی ہم تم کو اسلام کے سمندر کا گوہر شب چراغ دیکھنا چاہتے ہیں، اب تم ایسی مقدس زمین پہ پاؤں رکھو گے جس کا ہر ذرّہ تقدس اور پاکیزگی کا آفتاب و ماہتاب ہے۔ اس کا احترام کرنا آنکھوں والوں ہی کے ذمّہ فرض ہے، اس لئے میں تم کو ایک تاریخی روایت سُنا کر تمہارے قلب وسینہ میں ادب محبت کا نور بھرتا ہوں سُنو۔ اب سے سات سو برس پہلے کی بات ہے۔ عرب دیش کے شہر بغداد میں ایک نیک اور عبادت گزار بُڑھیا رہتی تھی اس کا نام تھا خیریہ بنت عاصم۔ بُڑھیا کے ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام بشر حافی تھا۔ خیریہ نے بچہ کو چرخہ کات کر اور محنت مزدوری کرکے بڑے لاڈ سے پالا تھا۔ بشر حافی رانڈ کا سانڈ بن کر دن بھر آوارہ اور نکمے لڑکوں میں رہتا، نہ لکھتا، نہ پڑھتا، نہ کوئی ہُنر سیکھتا، نہ محنت مزدوری کرکے بیوہ ماں کا مددگار ہوتا۔ بس شام کو کھیل کود سے فارغ ہوکر ماں کے پاس آتا اور بازار خرچ کو پیسے مانگتا۔ ماں پیسہ دو پیسہ چار پیسہ جو ہاتھ میں ہوتا دیدیتی۔ بشر حافی ان پیسوں کو لیکر اس خفیہ انجمن میں جاتا جہاں چوری چھپے گانجہ، بھنگ، چرس اور شراب کی تجارت ہوتی تھی گویا وہ بدمعاش اور آوارہ، بدچلن نشہ بازوں کی کلب تھی۔

کسی نے بشر حافی کی ماں سے کہا کہ تم تو اللہ اللہ کرنیوالی نیک بی بی ہو مگر تمہارا بیٹا ایسا ناہنجار ہے کہ تمہاری نیک کمائی کے پیسوں کو نشہ بازی میں خرچ کرتا ہے

بڑھیا یہ سن کر روتی اور ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتی کہ وہ اس کے نالائق
بیٹے کو ہدایت دے۔ بشر حافی ایک دن ماں سے پیسے لیکر میکدہ کی طرف روانہ
ہوئے۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک کاغذ کا پرچہ گندی نالی میں پڑا ہوا ہے، پرچہ
اُٹھا کر دیکھا تو اس پر لفظ محمدؐ لکھا ہوا تھا، بشر حافی اتنا پڑھے تھے کہ نام پڑھ لیا۔
بس ان کا دل کانپ اُٹھا اور پرچہ کو اُٹھا کر چوما، آنکھوں سے لگایا اور دو پیسے
جو ماں سے شراب پینے کے واسطے لائے تھے اس کا عطر خریدا اور کاغذ پر ملکر
کسی کھنڈر کی دیوار کے اونچے طاق پر رکھ دیا اور شراب خانہ کو چلے گئے
بس ان کی اتنی ہی ادا اللہ کے یہاں مقبول ہوگئی اور اللہ میاں کو اپنے
رسولؐ کا پاس کے نام کا احترام کچھ ایسا بھایا کہ بشر حافی کی کایا پلٹ
دی۔ ایک ولی اللہ بزرگ وقت کو اشارہ ہوگیا انھوں نے سینے سے لگا کر
وہ انوار باطنی بھر دیئے جو لوگوں کو رات بھر جاگنے اور دن بھر روزہ رکھنے سے
برسوں میں حاصل ہوتے۔ بس پھر کیا تھا بشر حافی وہ ہوگئے جو آج ان کا نام
کوئی بغیر رحمۃ اللہ علیہ کہے نہیں لیتا۔ حضرت بشر حافیؒ کی ایک کرامت
مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے، اگر جس راستہ سے وہ مسجد
میں آیا جایا کرتے تھے اس پر مویشی تک گوبر نہ کرتے تھے۔ ایک روز لوگوں
نے دیکھا کہ اس راستہ پر میلا پڑا ہوا ہے سب سمجھ گئے کہ حضرت
بشر حافی کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہی بات تھی۔
مہاراجہ موتی سنگھ جی نے یہ روایت سنا کر کہا بس مجھے مرشد نے
سنا کر تعلیم دی ہے کہ میری ناؤ بھی کچھ اسی قسم کی حقیر نذر سے پار لگے

سکتی ہے کیونکہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل اور نہ اتنا وقت یہ کہنے کے بعد راجہ صاحب نے اپنے پاؤں کے جوتے بھی اتار کر پھینک دیئے اور جب تک عرب میں رہے ننگے پاؤں رہے جب پاؤں کے تلوے زخمی ہونے لگے تو چیتھڑے لپیٹ لیتے۔

مدینہ منوّرہ کا ایک دلچسپ واقعہ

راجہ موتی سنگھ جی حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تھے مگر وہاں تک پہونچنے میں اُن کو بارہ دن لگے کیونکہ اس زمانے میں اونٹوں کے سوائے اور کسی سواری کا رواج نہ ہوا تھا۔ راجہ صاحب کے ساتھ پورا قافلہ تھا جہاں مقام ہوتا بڑی بڑی دیگیں بریانی اور مزعفر کی دم کی جاتیں اور راجہ صاحب سارے بدّوں کو جمع کر کے دستر خوان پر بٹھاتے اور خود ساتھ کھاتے بعض نومسلم راجپوتوں نے اشارتاً اور کنایتاً اظہار کراہیت کیا تو راجہ صاحب بہت بگڑے تم بھی اچھا ہے تم لوگ میرے ساتھ سے علیحدہ ہو جاؤ مساوات باہمی اور محبت تو اسلام کا اصلی جزو ہے اور میرے آقا (صلعم) کی سنت ہے میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ راجہ اپنے شتربان یا حمّال کو ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلاتے۔

جب مدینہ منورہ کے قریب قافلہ پہونچا اور مسجد نبوی کی مینار ہیں نظر پڑیں تو راجہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور وہ شغدف سے کود پڑے اور ننگے پاؤں اور ننگے سر کئی میل چلے تلووں سے خون ٹپک رہا تھا مگر اُن کو کچھ خبر نہ تھی۔

دوسرا دلچسپ واقعہ

جو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا یہ تھا کہ راجہ صاحب جب مدینہ شریف سے رخصت ہونیکو تھے تو آپنے مدینے کے حاکم سے ملاقات کی اور فرمایا کہ میں کچھ زر نقد یہاں کے مساکین کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں لہذا آپ دیہات اور شہر میں علم اعلان کرا دیں کہ بعد نماز جمعہ مسجد نبوی کے سامنے والے صحن میں باب المجید کے پاس جمع ہو جائیں عورتیں اور بچے باب النسا یا باب السلام کے سامنے موجود رہیں امیر مدینہ نے ترجمان کے ذریعے سے راجہ صاحب سے پوچھا آخر معلوم تو ہو کس قدر نقد آپ بانٹنا چاہتے ہیں تا کہ میں ویسا انتظام کروں راجہ صاحب نے فرمایا اس وقت تو میرے تحویل میں صرف پانچ ہزار روپیہ ہیں امیر صاحب نے فرمایا تو مجھے ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار مساکین جمع ہوں تا کہ آپ ہر ایک کو ایک ایک روپیہ دے سکیں۔ راجہ صاحب نے فرمایا آپ تو عام اعلان کر دیں اور سب کو بلا روک آنے دیں میں جیسا مناسب سمجھونگا کرونگا

اس پر عام اعلان ہوا اور چاروں طرف سے دیہاتی آ گئے لوگوں کا کہنا تھا کہ پچاس ہزار سے کم کی بھیڑ بھاڑ نہ ہوگی۔

راجہ صاحب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد نبوی کے باہر فرش پر بیٹھ گئے اور خزانچی نے ۵ ہزار کی ۵ تھیلیاں لا دھریں راجہ صاحب نے ان کو الٹ کر ایک کمبل سے چھپا لیں اور مٹھی بھر کر ہر ایک کو دینے لگے شام تک برابر دیتے رہے جب کسی نے کہا کہ اب کوئی باقی نہیں رہا تو کمبل اٹھایا

تو اُس میں کچھ نہ تھا۔

امیر مدینہ نے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ صرف پانچ ہزار روپیہ ہے، حالانکہ آپ ایک لاکھ سے زیادہ دے چکے ہیں۔ فرمایا تھے تو پانچ ہی ہزار مگر میں نے زیادہ بھیڑ دیکھی تو دل میں کہتا رہا کہ مولیٰ بندہ کی شرم تیرے ہاتھ ہے۔ بس یہی ہوا کہ مالک نے غلام کی لاج رکھ لی۔

جب مدینہ کے عربوں میں راجہ صاحب کی اس کرامت کا چرچا ہوا، تو آپس میں مباحثے چھڑ گئے۔ آخر وہاں کے علما اور اہل الرائے نے فیصلہ کیا کہ جو مالک کا ہو جاتا ہے پھر مالک اس کا ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ افسوس ہم نبی کریم کے ہم قوم ہیں، رات دن ان کے مقدس مزار سے لپٹے رہتے ہیں مگر ہم میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی اور ایک نومسلم کو یہ طاقت حاصل ہو گئی۔

جواب دینے والوں نے جواب دیا کہ نومسلم نے قربانی دیکر ایمان کا ثبوت دیا ہے تم محض زبانی دعوی کرتے ہو کبھی امتحان نہیں دیا۔

جب راجہ صاحب مدینہ منورہ سے رخصت ہوئے تو ترکی گورنمنٹ کی فوج رخصت کرنے اور سلامی دینے کو حاضر ہوئی اور جس بھیڑ بھاڑ میں وہ روانہ ہوئے وہ اس سے قبل مدینہ میں نہ دیکھی گئی تھی۔

حج سے واپسی
۱۸۷۹ء

زیارت اور حج سے فارغ ہو کر جب نواب صاحب واپس ہوئے تو ایک

خاص واقعہ راج گڈھ کے باشندوں کی زبان پر اتنک ہے جس سے اس کی صداقت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ وہ یہ کہ جدہ اور بمبئی کے درمیان میں نواب صاحب کا جہاز سخت طوفان میں آگیا حتیٰ کہ جہاز کا کپتان مایوس ہوگیا اور اس نے اعلان کردیا کہ ۱۲ گھنٹے کے اندر یا تو جہاز ڈوب جائیگا یا طوفان سے رہائی ملیگی اس لئے سب اللہ سے دعا کریں۔ یہ سن کر سب کے سب رو رو کر دعائیں مانگنے لگے۔ دعا کیوں نہ مانگتے کیونکہ دنیا اور اس کی تدبیر کا سہارا ٹوٹ چکا تھا۔ سچے دل سے اس وقت دعا نکلتی ہے جب دنیا کے علاج ختم ہو جاتے ہیں۔

نواب صاحب کے متعلق روایت ہے کہ ان پر پریشانی کا کوئی اثر نہ تھا وہ تو خوش نظر آتے تھے اور خدا جانے کس مخفی جذبہ کے تحت میں مسکراتے پھرتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر کسی دانشمند ہمراہی نے کہا حضور دعا فرمائیے کہ ہم لوگ خیریت سے گھر پہنچ جائیں ورنہ آپ کی برادری مسلمانوں کو ہمیشہ طعنہ دیتی رہیگی کہ موتی سنگھ نے مذہب بدل کر کیا پایا۔ ایشور نے سمندر میں غرق کر دیا۔ حاجی نواب صاحب پر اس فقرہ سے وہ کچھ اثر ہوا کہ ان کی حالت بدل گئی۔ ہنسنے کی بجائے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے "داتا! میں تو راضی تھا کہ پاک صاف ہو کر پھر کفر اور شرک کی دنیا میں نہ جاؤں اور یہیں پانی میں دفن ہو جاؤں۔ مگر سنتا ہے کہ میرے ساتھی کیا کہہ رہے ہیں یہیں تیرا بندہ تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ اسلام اور اسلام والوں کو منکروں میں شرمندہ نہ ہونے دے۔ آگے تیری مرضی اور مصلحت" اس دعا کو نواب صاحب نے بلند آواز سے کہا اور سب نے آمین پکاری۔

پندرہ منٹ نہ گذرے تھے کہ جہاز کا کپتان بھاگا ہوا آیا اور بولا کہ حاجیو مبارک ہو

ہوا کا رُخ بدل رہا ہے۔

ایک گھنٹہ میں طوفان فرو ہوگیا اور پریشانی اطمینان سے بدل گئی۔
(مؤلف) ایسا کیوں نہ ہوتا۔ نواب صاحب کی دُعا کیوں، قبول نہ ہوتی جبکہ قرآن پاک میں وعدہ ہے کہ تم مانگو میں دونگا تم پکارو میں سُنونگا۔ (ادعونی استجبلکم) مگر شرط یہ ہے کہ سچے دل سے پکا بھروسہ کرکے۔ رو کر گڑگڑا کر، مگر پورے توکل کے جذبہ میں مانگو۔ نواب صاحب کی دُعا میں یہ سب کچھ تھا آمین پکارنے والوں کے دل بھی غیر اللہ سے خالی تھے بس دُعا تھی کہ اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید۔ نواب صاحب خاصان خدا میں سے ہو گئے تھے وہ جو کچھ مانگتے ملتا۔ ان کا دعوی زبانی جمع خرچ والا نہ تھا وہ قربانی کا امتحان دے چکے تھے اس لئے اُن کی زبان اللہ کی زبان بن گئی تھی۔

حج کرنے کے بعد

نواب صاحب خیریت سے واپس آگئے۔ اُن کے مشاغل زندگی بالکل بدل گئے تھے ریاست کے کاموں میں جی نہ لگتا تھا بلکہ صرف برائے نام تعلق تھا۔ سارے کام دیوان ریاست کے سپرد تھے۔

حاجی راجہ صاحب کو دین سکھانے والے جو علماء باہر سے آئے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن میں تعصب کا رنگ تھا انھوں نے راجہ صاحب کو طریقت کے راستہ سے الگ کرنا چاہا اور کوشش کی کہ وہ کسی طرح سیدھے سادے ملا بن جائیں مگر راجہ صاحب کے قلب میں جو بنیاد اسلام کی پڑی تھی وہ

ایک خدا رسیدہ فقیر کے ہاتھوں تصوف کے اینٹ گارے سے بھری گئی تھی۔ اس پہ دوسری دیوار کیوں کھڑی کی جا سکتی تھی۔ اس لئے راجہ سے جو سوالات اعتراضاً مولانا لوگ کرتے تھے وہ جا کر شاہ صاحب سے کہتے اور وہ ان کو تشفی فرما دیتے تھے چنانچہ راجہ صاحب اور حضرت شاہ صاحب کی وہ جملہ بحث قلمبند کر لی گئی تھی۔ جسے دوسروں کی رہنمائی کے لئے ہم نے طریقت کا پہلا سبق اور دوسرا سبق نام دیکر درج کر دیا ہے، امید کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے کافی نفع حاصل کرینگے افسوس ہے کہ حضرت شاہ پیارے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے شاگرد کو چند سبق دینے کے بعد وصال ہو گیا۔ ورنہ نہ معلوم اس میدان میں علم اور معرفت کے کیسے کیسے دریا بہتے اور دنیا کے دلوں کی کھیتیاں اس سے سیراب ہوتیں، پس مشیت الٰہی یوں ہی تھی کہ وہ پردہ ذرا دیر کے لئے اٹھایا جائے اور پھر ویسے ہی اندھیر گھپ کر دیا جائے۔

راجہ نواب صاحب کے اسلام قبول کرنے اور حج سے واپسی تک کہتے ہیں کہ ۱۰ برس کا زمانہ گذرا، اور یہ سارا معجزہ اس عرصہ میں اپنے کرشمے دکھا کر ختم ہو گیا، اور راجہ صاحب بھی انتقال فرما گئے اور اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٭ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی ہمیشہ رہیگا۔ اُن کا ذکر باقی ہے۔ نواب صاحب کا وصال ۱۸۸۰ء سنہ میں ہوا۔

خاص راجگڑھ میں جو جامع مسجد نواب عبد الواسع خاں صاحب عرف راجہ موتی سنگھ مرحوم مغفور کی بنائی ہوئی ہے جس میں وہ نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے اسی کے ایک گوشہ میں راجہ صاحب کا مقبرہ ہے جس پہ سبز چادر پڑی رہتی

ہے اور مولسری کا درخت رات دن مزار پر پھول برساتا رہتا ہے۔ بیمار اور دُکھی ان پھولوں کو داروئے شفا سمجھ کر کھا لیتے ہیں اور بیماریوں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ اس مسجد میں اب بھی نماز جمعہ ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کرنے والے اب بھی جب راجگڑھ جاتے ہیں تو مزار کی زیارت کرتے ہیں، فاتحہ پڑھتے ہیں، فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ سرزمین انوار و برکات الٰہی سے معمور نظر آتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں کسی کی محنت اور ریاضت کو ضائع نہیں کرتا۔ راقم الحروف کو راجہ صاحب کے مزار پر حاضری کی عزت بارہا مل چکی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اسلام درویشوں اور بزرگوں کی رُوحانی طاقت سے پھیلا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کی دھار سے پھیلایا گیا ہے، اُن سے کہو کہ اسلام کی تلوار اور کٹار رُوحانی ہے جس کی باڑھ کے آگے آہنی اور فولادی تلواریں کند ہو کر رہ جاتی ہیں

منزلِ فنا فی الشیخ کے تماشے

ہز ہائی نس مہاراجہ سر حاجی موتی سنگھ جی سی۔ ایس۔ آئی۔ ای (عرف) نواب حاجی عبدالواسع خاں صاحب بہادر اپنے ہادی اور پیر و مرشد بابا نی گُرو حضرت شاہ پیارے شاہ صاحب کے وصال کے بعد بہت غمگین اور اُداس رہا کرتے تھے اور ریاست کے کاموں سے اِن کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ بہت کر کے ان کی قبر پہ اکیلے بیٹھے رہتے۔ راجہ صاحب نے چاہا کہ اپنے پیر و مرشد کا کوئی عالیشان روضہ یا مقبرہ بنوا دیں مگر مرشد نے چونکہ اس کی ممانعت کر دی تھی اس سے وہ کچھ نہ کر سکے۔ لوگوں کا چشم دید بیان ہے کہ وہ اکثر تنہائی میں ایک گیت گایا کرتے تھے جس کا آخری مصرع تھا :-

"گرو بنا جگ اندھیارا"

یعنی مرشد کے بغیر مجھے دنیا تاریک دکھائی دیتی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ راجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا آخری زمانہ نیم جذباتی حالت کا زمانہ تھا کبھی کبھی ان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے تھے کہ اہل شرع ناپسند کرتے تھے پھلی پور کے ایک بہت بوڑھے مسلمان نے بیان کیا کہ ایک دن راجہ صاحب علماء اور حفاظ کی موجودگی میں ستار بجا کر گانے لگے۔

"گرنہ تجوں ہر کو تج ڈاروں　　گرپہ سے میں آپ کو واروں"

ایک عالم نے کہا کہ آپ کیا کفر بک رہے ہیں۔ کچھ مطلب بھی سمجھے۔ اس کا مطلب ہوا کہ خدا جائے تو جائے مگر مرشد ہاتھ سے نہ جائے۔ راجہ صاحب خوب ہنسے۔ فرمایا مگر آگے دعویٰ کی دلیل بھی سن لیجئے پھر کفر کا فتویٰ دیجئے۔ فرمایا:۔

"ہر نے موسے آپ چھپایو　　گرنے دیپک بار دکھایو"

فرمایا کچھ سمجھے مولانا اللہ میاں تو چھپے چھپے پھرتے ہیں مگر مرشد نے چراغ جلا کر دکھا دیا اور کہا کہ دیکھو یہ رہے۔ اس لئے میں بلا خوف فتویٰ کفر کہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ اللہ میاں چاہے چھوٹ جائیں میرے مرشد مجھے نہ چھوڑیں۔ کیونکہ ان کی روشنی میں اللہ میاں کو پھر پالوں گا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ راجہ صاحب کی یہ بات سن کر مولوی صاحب کو بھی وجد آ گیا اور ناچنے لگے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اس روز کی محفل عجیب ہوئی کہ جو نیا آدمی شریک ہوتا تھا

اور راجہ صاحب کے منہ سے یہ دوہے سنتا تھا تڑپنے لگتا تھا اور وہی گانے لگتا تھا جو راجہ صاحب گاتے تھے کہتے ہیں کہ محلوں کی کوئی باندی محفل کا یہ رنگ دیکھ کر محلات میں گئی اور رانیوں سے کہا کہ آج تو ان داتا جی اس رنگ میں ہیں رانیوں نے پوچھا کہ راجہ صاحب کیا گا رہے تھے لونڈی نے گا کر وہی چار مصرعے پڑھے اُن کا سُننا تھا کہ رانیوں اور کل نوکرنیوں اور خدمت گارنیوں کا وہی حال ہوگیا جو راجہ صاحب کا محفل میں تھا۔ ایک عالم صوفی نے کہہ دیا کہ آج راجہ صاحب کے پیرو مرشد عالم ارواح میں بیٹھے ہوئے اپنے مریدوں کو فنا فی الشیخ کا درس دے رہے ہیں بس یہ اسی کا اثر ہے جو ساری فضا میں گونج رہا ہے۔

آخری سندیسہ

۱۸۷۶ء کے آخری مہینے میں راجہ صاحب کے منہ سے ایسے کلمے نکلنے لگے جس سے لوگوں کو شبہہ ہوتا تھا کہ دنیا سے بیزار ہو کر دوسری دنیا میں جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

ایک روز فرمایا کہ دنیا میں رہنے کا لطف بغیر مرشد کے جاتا رہا مگر حکم حاکم میں کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ ایک دن قوال شاعر کی یہ غزل گا رہا تھا "آپ آتے بھی نہیں مجھ کو بلاتے بھی نہیں" بس اسی مصرعہ پہ راجہ صاحب کی طبیعت بگڑی تو سارے دن روتے رہے اور یہی پڑھتے رہے۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب راجہ نے کہہ دیا کہ بس ہم کو صرف ایک حکم کی تعمیل کرنی ہے وہ کر دیں تو ہمارا چھٹکارا ہو جائے۔

یہ کہنے کے بعد راجہ صاحب نے اپنے تمام رشتہ داروں یعنی راجہ صاحب کوٹھ، پونڈی، جھالراپاٹن، اودے پور، رتلام، سیلانہ، نرسنگ گڑھ وغیرہ کو خط لکھے جس میں لکھا کہ میں آپ لوگوں کی مرضی کے مطابق ترک اسلام پر آمادہ ہوں اور شدھ ہو کر آپ کے دھرم میں واپس آنے پر تیار ہوں مگر شرط یہ ہے کہ آپ سب لوگ غریب خانہ پر جمع ہو کر میری بات سن لیں اس کے بعد جو آپ فرمائیں گے میں بجا لاؤں گا۔

جب یہ خط رؤسا کے پاس پہنچے تو ان میں آپس میں ایک عرصہ تک خط و کتابت ہوتی رہی اور آخر میں یہ طے ہوا کہ ضرور راجگڑھ جانا چاہئے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کے مر جانے سے اس کا اثر اور اس کے جادو کی تاثیر باطل ہو گئی ہے اس لئے موتی سنگھ کو ہوش آگیا ہے، چنانچہ ایک تاریخ مقرر پر مدعو شدہ میں سے اکثر آگئے اور بعضوں نے اپنے قائمقام بھیجے۔ باقاعدہ محفل سجائی گئی اور سب کی موجودگی میں راجہ صاحب نے ذیل کی اسپیچ دی۔

راجہ صاحب کی تقریر

پریا سجنو متر و! (حضرات دوستو)

میں نے آپ لوگوں کو اس غرض سے تکلیف دی ہے کہ آپ میری درد بھری اور بپتا بھری کہانی میری زبانی سن لیں اور پھر میرے حق میں کوئی فیصلہ کریں آپ سب صاحبوں کو میرا جیون (زندگی) معلوم ہے کہ میں کیسا کٹر ہندو تھا، پوجا پاٹھ اور کرم کانڈ میں تو پورا سناتنی ہندو تھا مگر تو (لیکن) کئی آریہ مہاشے

کی بنائی ہوئی پستکوں (کتابوں) کو پڑھ کر میں آریہ تو نہ ہوا لیکن بڑا (متعصب) پکش پاتی ہندو بن گیا اور دوسرے دھرموں (مذاہب) سے نفرت اور گھن من میں بڑھ گئی اُدِش کرکے (خاص کر) جب میں نے پڑھا کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کو مار مار کر مسلمان کیا ہے تو میرا کرودھ (غصہ) بڑھ گیا اور میں نے چاہا کہ ان بادشاہوں کا بدلہ آج کل کے مسلمانوں سے لوں مگر میں کیا کر سکتا تھا بس اتنا کر سکا کہ میرے چھوٹے سے راج میں جو دس بیس مسلمان نوکر تھے ان کو نکال دیا اور میں نے اپنا یہ نیم کر لیا (قانون بنا لیا) کہ جب تک پوجا پاٹ نت نیم اشنان دھیان نش چنت (فارغ) نہ ہو لیتا ملیکش، مسلمان کا منہ نہ دیکھتا یہاں تک کہ میرا یہ کرودھ (غصہ) دُور دُور مشہور ہو گیا کہ میں سوا پہر دن چڑھے تک مسلمان کا منہ نہ دیکھتا اور اگر کداچت دھوکے میں ایسا ہو جاتا تھا تو مجھے اس کا پراشچت (کفارہ) کرنا پڑتا تھا اور اس دن مون برت یعنی خاموش روزہ رکھتا تھا۔ بہرحال آپ لوگ میری اس قسم کی زندگی سے واقف ہیں زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ ایک روز میں نے ایک مسلمان کو، غریب مسلمان کو جو ندی میں اشنان کرکے مالک کے سامنے سر جھکانے کو مسجد میں جا رہا تھا میں نے صرف اس قصور پر اُسے پٹوایا کہ اس نے مجھے اتنے سویرے منہ کیے دکھایا اور خاص کر جبکہ میں شکار کو جا رہا تھا غریب کے چوٹ بہت آئی اس کا حال دیکھ کر اس کا کٹم (خاندان) بہت دکھی ہوا وہ دکھیا مجھ پاپی کے راج میں سے بھاگ کر دوسرے راج میں چلا گیا مگر اپنی آہوں کا دھواں نہیں چھوڑ گیا جو اندر لوک

یعنی عرش الٰہی تک پہونچا مجھ پر کیسی مصیبت آئی مجھے کیسے کیسے دُکھ ہوئے کیسے
کیسے کشٹ میں نے اٹھائے اور بیماری جو ایشور کا کوپ یعنی عذاب آسمانی
تھا اس سے چھٹکارا پانے کے واسطے میں نے کیسے کیسے جتن کئے کتنا دھن لٹایا
آپ لوگوں کو سب معلوم ہے میرے کرموں کا پھل تو مجھے یہ ملنا چاہئے تھا کہ
میرے راج پاٹ میں آگ لگ جاتی اور میں آسمانی بجلی کی آگ میں جلا دیا
جاتا میرے پاپ کی آنچ مجھے بھون ڈالتی میں ہائے جلا ہائے جلا کہتا ہوا
سیدھا نرک (جہنم) کو چلا جاتا کیونکہ کرم ہی ایسا کیا تھا ایک نردوشی (بے گناہ)
غریب کو جو اپنے پیدا کرنیوالے کی پوجا کرتے تہاد ہو کر جا رہا تھا اس کو اپنے
نوکروں سے بُری طرح پٹوایا۔ غرض جو ہوا سب سنسار (دنیا) پر روشن اور ظاہر ہے۔
مگر میرے مالک نے مجھے سزا تو دی مگر ایسی سزا جس کی آڑ میں ایک بڑا انعام
چھپا ہوا تھا میرے جلانے کو اپنے غصہ کی آگ تو بھیجی مگر ایسی جس کے دامن
تلے روحانی ٹھنڈک کا دریا لہریں مار رہا تھا یعنی بیماری سے تنگ آکر میں ایک
گدڑی پوش کی جھونپڑی کے سامنے ایک ملازم کی طرح کھڑا کیا گیا۔ کون گدڑی
والا وہی جس کے قدموں پر لاکھوں تاجدار اور جس کے چرنوں پر کروڑوں چکر
ورتی راجے ناک رگڑا کریں تو بھی کم ہے۔ ہاں اس گدڑی پوش مہاتما نے
مجھے شاکشات (بحالت اصلی) کرشن جی مہاراج کے درشن کرائے نہ صرف
درشن کرائے بلکہ اس بنسی والے نے بانسری بجا کر مجھے وہ گیت سنایا جس کو
میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ کرشن بھگوان نے خود اپنے اپدیش (یا کلام) منہ سے
فرمایا ہوا کہ مونی سنگھ تو عربی اوتار محمد کا پیارا اُنہیں کے دامن سے

نیچے پناہ ہے اُن کا راج ہے انھیں کا زمانہ ہے انھیں کا سکہ بازار میں چلے گا تو تو کیا اگر میں بھی ہوتا تو انھیں کے چرنوں میں پناہ لینی پڑتی، ارے نادان تو تو میرا بھگت ہے کیا میں نے اپنی گیتا میں نہیں کہا کہ میں سنسار کے دُکھ مٹانے کے خاطر بار بار دُنیا میں آؤں گا بس تو یہی سمجھ لے کہ میں ہی مدینہ باشی کنور کنھیا کے مُنہ سے بول رہا ہوں۔

پریہ متر و (پیارے دوستو) یہ اپنی داستان مختصر کرکے مطلب پر آتا ہوں میرے راجپوت بھائیو! میں آج تمہارے روبرو دوسری کرشن مہاراج کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا ایک ایک شبد (لفظ) سچا ہے اب میں تم سے یہ اور کہنا چاہتا ہوں کہ اتہاس یا تاریخ میں لکھنے والے جھوٹے اور مہا جھوٹے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام (دھرم) مسلمانوں کا دین تلوار سے پھیلا ہے کسی کا ایسا کہنا راجپوتوں کو ماں کی گالی دینا ہے اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ہمارے باپ دادا ایسے نامرد تھے کہ مسلمانوں سے ڈر کر اپنا دھرم بدل ڈالا، حالانکہ ہم وہ تھے کہ دھرم کی خاطر اپنی عزت آبرو اور مریاد کے خاطر اپنی پیاری اور پران پیاری رانیوں کو حلال کرکے یُدھ کے میدان میں جاتے تھے تاکہ ہمارے مرنے کے بعد کسی راجپوت عورت کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکے، بھلا ایسی بہادر قوم سے کیا یہ آشا یا اُمید کر سکتا ہے کہ وہ تلوار کے ڈر سے دھرم تیاگ بیٹھے۔ اتہاس یا تاریخ لکھنے والوں اندھوں سے کوئی پوچھے کہ اگر ڈر اور خوف سے ہندو مسلمان ہو گئے ہوتے آج ہندوستان میں سب سے زیادہ بڑے یا دلیش مسلمان ملتے حالانکہ سب سے زیادہ نومسلموں میں راجپوت کا نمبر ہے۔

پیارے مترو! یہ بھید اب کھلا کہ اس زمانے میں اچھے اچھے پیر فقیر اور درویش، سادھو، مہاتما زیادہ تھے۔ بس ان کی تمک شکتی یا روحانی قوت سے یہ سب کچھ ہوا انہیں کو دیکھ دیکھ کر ہمارے باپ دادوں نے اسلام دہرم کو پکڑا اور اپنے پرانے دھرم کو تیاگا بس تم مجھ کو دیکھ لو میں زندہ مثال موجود ہوں تم انہیں اپنے دھرم سے کہو کہ میری گردن پر کس نے تلوار رکھی اور میں نے کس کے ڈر سے اپنے پرانے دہرم اور اپنی ذات برادری کنبے ناتے کو چھوڑا۔ اگر ایسا موقعہ آتا اور ضرورت ہوتی تو تم دیکھتے کہ میں راج پاٹ میں بھی ٹھوکر مار کر الگ ہو جاتا اور یہ تو چند روز کا عیش تھا میں عارضی چیز کے بدلے میں سدا کا آنند یا ہمیشہ کا آرام کیوں نہ لیتا، پیارے مترو! اسلام میں اور بھی ایسے بہادر نش (انسان) گذرے ہیں جنھوں نے تاج و تخت دیکھ بیٹھا کل اور ٹوٹا بوریا پسند کیا ہے۔

پیارے بھائیو! میرے گرو مہاراج حضرت پیارے شاہ صاحب نے مجھ سے صاف صاف کہدیا تھا کہ اسلام دہرم نہ تو گوشت یا دال کھانے میں ہے اور نہ پاجامہ دہوتی پہننے میں ہے اور نہ موتی سنگھ یا عبدالواسع نام رکھنے میں ہے وہ تو من کی شدھتا یا خیالات کی پاکیزگی کا نام ہے اور من کی صفائی کا پہلا سبق وشواش یا عقیدے سے شروع ہوتا ہے اس لئے زبان اور دل سے کہو کہ پرشور یا اللہ اکیلا ہے سب کا خالق و مالک ہے آزاد ہے خود مختار ہے کسی کا ماتحت یا دبیل نہیں وہ سب کچھ کرسکتا ہے وہ اپرم پار یعنی لا انتہا ہے سرو شکتی مان (قدرت والا) ہے وہ اپنے پیدا کئے ہوئے بندوں کو اپنا مارگ یا اپنے سے ملنے کا رستہ دکھانے کو کسی بندے کو چن لیتا ہے آخری اوتار یا رسول حضرت محمد صاحب ہیں

جن کے بعد کسی کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی اُن سے زیادہ ایشوری گیان یا خدائی
کا آسان رستہ بتا نہیں سکتا۔ محمد صاحب کی دھرم شاستر کتاب جو ملی اس میں ایک
ایسی پیاری بات ہے جو کسی دھرم پستک میں نہیں وہ یہ کہ محمد صاحب سے پہلے
جتنے رسول پیغمبر اوتار اپنے اپنے ملک اور دیس میں تھے وہ سب ایشور یا خدا کی
طرف سے تھے اور انھوں نے جو جو اپدیش اپنی برادری کو دیا وہ سچا تھا اُن سب
کو پرنام اور یا اُن کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ لیکن اس آخری جگ کے سب سے
بڑے اوتار پر ایمان لانا ضروری ہے نئے راج میں پرانے سکے نہیں چلا کرتے جب
نیا قانون آگیا تو پرانا قانون منسوخ ہو گیا۔ آپ لوگ راجپوت ہیں۔ ست کو پکڑنا است
کو چھوڑ دینا یعنی حق کو پکڑنا اور ناحق کو چھوڑنا بہادری کا کام ہے۔ مجھ کو میرے مرشد
نے اس لوک سے دوسرے لوک میں بلایا ہے میں بہت جلد جانے والا ہوں میری
گرو کی آگیا انوسار یعنی مرشد کے حکم کے موافق آپ کو یہ آکاش سندیسہ یا آسمانی پیغام
سُنا کر اپنے کرتو کا پالن کرتا ہوں یعنی اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں ماننا نہ ماننا
آپ کا کام ہے اگر آپ کو ڈر ہو کہ آپ کو سنسار کا بندھن یا تعلق دنیاوی توڑنے
میں کٹھنتا ہوگی یا مشکل پڑیگی تو آپ کو اختیار ہے کہ ملکی اور برادری تعلقات بدستور
قائم رکھتے ہوئے اپنے دل سے مان لیجئے اور من میں یہ وشواش قائم کر لیجئے کہ آجکل
اتمک راج یا روحانی سلطنت محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عربی اوتار
کی ہے میں ان پر ان کی باتوں پر ان کی ریت اور قانون پر راضی ہوں اُن کو اور
اُن کے نام کو سچے من سے ڈنڈوت اور پرنام کرتا ہوں، میرا وشواس ہے کہ آپ
کے ایسا کرنے سے مدینہ کی دیا لو سرکار آپ کو نرک کی اگنی (آتش جہنم) سے

بچائے گی کیونکہ وہ بڑی دیالو یعنی رحم دل سرکار ہے۔ آپ نے میرا اُپدیش یا کھیان (وعظ) یا میری بنتی یعنی عرض صبر و شانتی سے سُنی ہیں اس کا دھنیاد آپ کو دیتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوا رخصت ہوتا ہوں۔

جادو پکّا ہے

سب لوگ یہ تقریر سُننے کے بعد اُٹھ کر چل دیئے اور یہ کہتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے کہ فقیر کا جادو راجہ پہ گہرا اور پکّا ہے جبھی تو اس کے مرنے کے بعد اس کا اثر اور بھی تیز ہو گیا ہے سب چلتے ہوئے راجہ کی رانیوں اور اقربا کو سمجھا گئے کہ راجہ سے الگ رہیں ورنہ دھرم بگڑ جائے گا۔

دو مزید روایات

راجہ صاحب نے جب قبول اسلام کا علانیہ اعلان کر دیا تو سارا کنبہ خاندان اور برادری خون کی پیاسی ہو گئی۔ ایک دن تقریباً پانسو راجپوت جمع ہوئے اور سب نے مذہبی قسم کھائی کہ ہم پیارے شاہ صاحب کو ختم کر دیں گے۔ راجہ صاحب اس ہجوم کو دیکھ کر گھبرائے اور اپنے مُرشد سے عرض کیا کہ حضور راجگڑھ سے کہیں اور چلے جائیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا فقیر بھاگا نہیں کرتے تم میرا پیغام اُن کو یہ دو کہ ایک ایک میری کٹی پہ آئے اور ننگی تلوار کے ساتھ آئے اگر میں تسلی نہ کر دوں تو میری گردن تن سے جدا کر دے، راجپوتوں کی شان کے خلاف ہے کہ ایک نہتے فقیر پر پانسو بہادر حملہ کریں راجہ صاحب نے باغی گروہ سے یہ بات جا کر کہی وہاں

گئے اور یہی ہوا کہ ایک ایک اندر جاتا تھا مگر جب باہر نکلتا تھا تو کلمہ پڑھتا ہوا نکلتا تھا
یہاں تک کہ ایک سو گیارہ راجپوت مسلمان ہو گئے جب راجگڑھ کے شاہی خاندان نے
یہ رنگ دیکھا تو مجمع کو مار کر منتشر کر دیا کیونکہ خطرہ ہو گیا کہ ساری ریاست مسلمان ہو جائے
گی مسلمان شدہ خاندان میں سے بہت سے گھرانے اب بھی خاص راجگڑھ اور
اس کے مضافات میں موجود ہیں۔

بعد کی روایت

راجہ صاحب کی قریب کی رشتہ دار عورت نے خاموش سے کہا کہ اللہ
آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے ولایت کی روشن شمع کو زمین کی تہ سے نکال کر باہر رکھ
دیا اور اس کی روشنی سے اب مالوہ اور سنٹرل انڈیا کے بھٹکے ہوئے گمراہی کے غار
میں گرنے سے بچیں گے اللہ کو یہی منظور تھا کہ ساٹھ برس تک یہ روشنی مٹی میں دبی
پڑی رہے اور ایک شخص مکہ مدینہ سے آکر باہر نکال کر رکھ دے، مسماۃ کی عمر اس وقت
نوے برس کی ہے وہ راجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی رشتہ میں بہن لگتی ہیں وہ بھی اسی زمانے
میں مسلمان ہوئی تھیں بڑی عابدہ پرہیزگار ہیں ہزاروں آسیب زدہ عورتیں آتی ہیں
اور ان کے دم سے شفا پاتی ہیں یہ عابدہ خاص مسجد ہی میں مقیم ہیں اور غریب
خاموش پر کرم فرماتی رہتی ہیں۔ انھیں کے ایما سے میں نے مہاراجہ موتی سنگھ کا سالانہ
عرس قائم کر دیا ہے جو ماہ اپریل میں گذشتہ ۳ سال سے بڑی دھوم دھام سے
ہو رہا ہے چاروں طرف سے بزرگان اہل دل بن بلائے جمع ہو جاتے ہیں اور
بڑی پر کیف محفلیں حال و قال کی ہوتی ہیں، حفاظ ایک دن قرآن خوانی بھی

کرتے ہیں غرباء اور مساکین کی ضیافت بھی کی جاتی ہے سارے سامان غیب سے ہو جاتے ہیں۔

ممدوحہ سے میں نے خواہش کی کہ وہ راجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کچھ چشم دید حالات مجھے سنائیں فرمایا کہ کیا کیا سناؤں، پیارے میاں نے ایک نظر میں نہ معلوم کیا سے کیا بنا دیا اور مدینہ سے آکر تو وہ مجسم نور بن گئے تھے جب راجہ صاحب کا وصال ہوا تو اسی روز ساڑھے تین سو راجپوت مشرف بہ اسلام ہوئے لوگوں نے سبب پوچھا سب کہنے لگے کہ ہم نے دیکھا کہ آسمان سے ایک مخلوق زمین پر اتر رہی ہے اور نماز پڑھ کر جا رہی ہے بس ہم نے کہا اب دیر نہ کرنی چاہیئے۔

ممدوحہ نے فرمایا کہ میں تم کو راجہ صاحب کے پورے خاندان کے حالات اور اُن کے اعتقادی انقلابات کبھی سناؤں گی تم اُن کو بھی شامل کر دینا تاکہ پوری تصدیق ہو جاوے میں نے کہا منشی عظمت اللہ کے والد راجہ صاحب کے ساتھ حج کو گئے تھے وہ سارے خاندان کا کچا چٹھا لکھ کر رکھ گئے ہیں ضرورت ہوئی تو میں لے لوں گا۔

میں نے ممدوحہ سے کہا کہ راجہ صاحب کو ولایت مدینہ منورہ میں ملی ہے اسی وجہ سے وہاں سے آکر ان کا حال دوسرا ہو گیا تھا اللہ کو صرف اتنا ہی منظور تھا کہ وہ اسلام کا ایک زندہ معجزہ دکھا کر جلد روپوش ہو جاویں ورنہ اگر وہ دس برس بھی اور زندہ رہتے تو سارے سنٹرل انڈیا اور راجپوتانہ کے راجپوت اسلام کی پناہ میں آگئے ہوتے۔ میں نے کہا شہید اور ولی اللہ مرا نہیں کرتے صرف ظاہری پردہ کر جاتے ہیں۔ راجہ صاحب اب بھی شان وجلال کے ساتھ

ولایت کی تخت پر تاج پہنے ہوئے براج رہے ہیں۔

آنکھوں والا تری جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

انہیں کے ارشاد سے خاموش نے سیہور ایسے بنجر زمین پر بیٹھ کر دہو نی رمائی ہے وہ عنقریب دوسرے کسی روپ میں اپنی کرامات کے کرشمے دکھانے پر آمادہ نظر آتے ہیں بتاتے نہیں کہ کیا حکم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے بہر دست تو ان کی ولایت کے ناشر خاموش نے سالانہ عرس سیہور میں جاری کر دیا ہے ان کی لائف (زندگی) بیان ہوتی ہے مرد و عورتیں اپنے اپنے لئے ان کے طفیل اور واسطے سے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور وہ پوری ہوتی ہے۔ یہ عرس خاص راجگڈھ میں اس وجہ سے قائم نہ کیا گیا کہ اوّل تو صاحب عرس یعنی راجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا حکم نہ تھا دوسرے یہ کہ چند سیاسی مصلحتوں نے منع کیا میں نے کہا ہم کو آم کھانے سے کام ہے درخت کیوں گنئے پھر یہیں ہمیں تو راجہ صاحب کے نام کو زندہ کرنا ہے وہ ہر جگہ سے ممکن ہے۔ پھر سیہور ریلوے اسٹیشن ہے اور سنٹرل انڈیا کا سنٹر ہے شریک ہونے والوں کے لئے آسانی ہے۔

میں نے ممدوحہ سے کہا کہ مدینہ منورہ میں مجھے ایک چھپے درویش نے کہا کہ راجہ موتی سنگھ آف راجگڈھ کو اس وقت خلعت ولایت اس دربار سے عطا ہوا جبکہ وہ جدّہ میں جہاز سے اترتے ہی ننگے پاؤں ہوگئے اور اس وقت مجسم نور بنائے گئے جبکہ انہوں نے سرزمین حجاز پر بول و براز ڈالنے سے انکار کر دیا۔ انہیں بزرگ نے مجھے یہ بتایا کہ ہر سال خلعت ولایت تقسیم ہوتے ہیں اور جس کے قسمت میں

ہوتا ہے ملتا ہے عبادات / ریاضات پر منحصر نہیں۔ فرمایا نقشبندی سے بھوپال کی بیگم سلطان جہاں کا نام بھی یہاں کے بتائے ہوئے دلیوں کی فہرست میں ملتا ہے فرمایا کہ جب وہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ گئی ہیں اور وہاں تبرکات کی زیارت انکو نصیب ہوئی اور حضور صلعم کی نعلین پر منہ رکھ کر زور سے روئی ہیں بس اسی گھڑی مدینہ منورہ سے بے تار کا تار روانہ ہوا کہ ہم نے سلطان جہاں کو ولی اللہ کا خطاب دیا۔ اللہ کی دین پر کوئی کہاں تک اظہار حیرت کریگا۔

مدینہ منورہ ہی میں خاموش کو عالم رویا میں راجہ موتی سنگھ کی صورت دکھلائی گئی راجہ صاحب نے خود منہ سے کہا کہ ہمارا کوئی نہیں جو ہم کو یاد کرے، خاموش پکارا چالیس کروڑ کلمہ گو آپ کے ہیں بس آنکھ کھل گئی یہ ہے خاموش کی رام کہانی جو آخر کہنی پڑی۔

بے جرم کوئی کب تک آخر سنے ملامت
واعظ سے تجھ کو آخر کہنی پڑی کہانی

وقت قریب ہے اللہ اپنے کرم سے دروغ بیانی اور مکر و فریب اور خود غرضیوں سے بچائے رکھے اور ایسا کرم کرے کہ حشر میں راجہ موتی سنگھ کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری نصیب ہو۔ آمین

الٰہی غنچۂ امید بکشا
گلے از روضۂ جاوید بنما

درسِ طریقت کا پہلا سبق

پیری مریدی کیا چیز ہے؟ ایک روز راجہ صاحب اپنے مسیحا یعنی پیارے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے کہ حضور والا! یہ پیری مریدی کیا چیز ہے۔ مخالفین طریقت یا درویشی پر اکثر اعتراض کرکے میرے دل و دماغ کو منتشر کیا کرتے ہیں کہ فقیری یا درویشی نہ رسول کریمؐ کے وقت میں تھی یہ تو کھانے کمانے کا لوگوں نے ایک مشغلہ ایجاد کیا ہے۔ میری تسلی فرمائیے۔

شاہ صاحب ۔ بیٹا طریقت میں بحث مباحثہ منع آیا ہے البتہ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو میں کہوں گا کہ یہ تو درست ہے کہ بادشاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی مبارک میں آجکل جیسی پیری مریدی کا طریقہ جاری نہ تھا مگر کچھ تھا ضرور دیکھو حضور صلعم جب کسی کو پہلے پہل توبہ کراکے اسلام میں داخل کرتے تھے تو اس کا ہاتھ اپنے دست مبارک پر رکھ کر کلمہ پڑھاتے تھے بس یہی بیعت تھی اس کے علاوہ خاص خاص موقعوں پر مسلمانوں سے جب کوئی نیا اقرار لیتے تھے تو تجدید بیعت کرلیتے تھے یہی پیری مریدی تھی۔ کفار عرب اس وقت بھی حضور صلعم سے یہی کہتے تھے کہ آپ نے کھانے کمانے کا یہ نیا ڈھنگ نکالا ہے مگر آخر میں دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ کھانے کمانے کا ڈھونگ تھا یا خلق کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کام تھا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ ہم لوگ بھی حسب الارشاد سرکار دو عالم صلعم وہی کام کر رہے ہیں یعنی امت محمدیہ کی اصلاح روحانی کی خدمت ادا کر رہے ہیں کوئی کچھ کہے۔ بیٹا یہ بھی وہ غلط کہتے ہیں کہ حضور کی حیات میں نہ کوئی صوفی تھا اور نہ درویش، ان سے پوچھو

کہ اصحاب صفہؓ کی جماعت کیا تھی یہ لوگ رات دن حضور صلعم کے گرد مثل پروانوں کے گھوما کرتے تھے نہ شادی کی نہ بیاہ، نہ بال نہ بچے، ملا تو کھالیا ورنہ بھوکے پڑے رہتے تھے بس حضور صلعم کا دیدار ہی ان کے لئے ہمہ نعمت تھی ان ہی عشاق رسولؐ کو علم باطن دیا گیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان صوفیوں کے سردار تھے۔ ان ہی کے ذریعہ سے یہ علم سینہ بہ سینہ آگے چلا اور اب تک ہے اور رہے گا۔

راجہ صاحب حضور والا دریافت طلب یہ ہے کہ پیری مریدی کی ضرورت کیوں ہوئی۔ اس کے بغیر مسلمان کی نجات ناممکن ہے کیا یہ سچ ہے کہ جب کا کوئی پیر نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہے۔

شاہ صاحب ۔ نجات کے لئے مرید ہونا کوئی ضروری نہیں ہے یہ تو کالج یا اسکول کا خاص درجہ یا کلاس ہے جس کا جی چاہے اس میں داخل ہو ہر ایک کے بس کا روگ ہے بھی نہیں، فقیری میں بڑی بڑی نفس کشی کرنی پڑتی ہے نجات کے لئے ایک مسلم کے لئے یہ کافی ہے کہ توحید کا قائل ہو کلمہ زبان سے پڑھے دل سے یقین کرے شرعی احکام کی پابندی کرے دنیا کی سب ترقیاں کرے اور لطف اٹھائے، مثلاً اسکول میں داخل ہو کر ہر اس شخص کو انٹرنس پاس کرنا ہوگا جو سرکاری نوکری چاہتا ہے اس سے اسے ملازمت مل جائے گی لیکن اگر عام قاعدہ کی بھرتی سے اونچا درجہ لینا ہے تو کالج کے اسپشل کلاس میں داخل ہو کر ایم۔ اے پاس کرنا ہوگا اور بی اے بی ایل یا ایل ایل بی کی یا پی ایچ ڈی کی ڈگری لینی ہوگی جسے یہ دردسری اور صرفہ منظور نہ ہو وہ کاہے کو اس میں پڑے اپنا سیدھا کام کئے جائے مگر بغیر امتحان پاس کئے کام نہ چلے گا۔

راجہ صاحب - جی اب میری سمجھ میں بات آئی تصوف یا فقیری یا درویشی یا طریقت عوام کے لئے نہیں ہے بلکہ خاص خاص لوگوں کے لئے ہے -

کیا مسلمان پر کسی کا مُرید ہونا فرض ہے ؟

شاہ صاحب - ہاں اس کے لئے جس کی فطرت اس کے لئے موزوں ہو اور اسکا رجحان یا میلان طبع قدرتی ہو" ہارے بازرھے کا سودا نہیں" ہاں ایک بات کا جواب رہا جاتا ہے تم نے کہا تھا کہ عوام میں مشہور ہے کہ سب کو کسی پیر کا مرید ہونا چاہئے کیونکہ جس کا پیر نہیں ہوتا اس کا پیر شیطان ہوتا ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے لکھدیا ہوگا یا کہدیا ہوگا کہ محض کتاب پڑھ کر تصوف کے اشغال کی مشق نہ شروع کر دینا چاہئے کسی رہنما کے مدد کے بغیر راستہ طے نہیں ہوتا اس میں بہک جانے کا بڑا خطرہ ہے اور شیطان کو بہکانے کا خوب موقع مل جاتا ہے پس ان معنوں میں کہا ہوگا کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوگا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہر مسلم کو طریقت میں داخل ہونا اور کسی کو پیر بنانا ضروری ہے -

راجہ صاحب - اللہ کا شکر ہے کہ میرے دل میں جو شک و شبہہ تھا اب وہ بالکل صاف ہوگیا - حضور براہ کرم شریعت اور طریقت کا ذکر فرمایئے دونوں میں فرق کیا ہے کیا دونوں ایک ہی ہیں اگر دو الگ چیزیں ہیں تو کیا طریقت بلا پابندی شریعت کے بھی کوئی چیز ہے -

شاہ صاحب - شریعت اسلام کا سیدھا اور سادہ رستہ ہے نماز پڑھو روزہ رکھو استطاعت ہو تو حج کرو اور زکوۃ دو جھوٹ سے بچو - بددیانتی سے دور رہو - چوری اور زنا سے خود کو بچاؤ نیک اور پاک باز انسان بنکر دنیا

میں دن گزارو جائز وسائل سے روپیہ کماؤ جوڑو جائداد خریدو، عالیشان مکان بناؤ بیوی یا بیویاں کرو، بال بچے پیدا کرو ان کو بھی نیک رستے پر لگاؤ وغیرہ وغیرہ۔
اب طریقت کا کیا حکم ہے۔ وہ کہتی ہے کوئی سانس بغیر یاد مولا کے ضائع نہ جانے دو۔ بس اتنا کماؤ جس سے موٹی جھوٹی گذر ہو جائے مکان ایسا بناؤ جو دھوپ اور برسات سے بچاؤ ہو جائے شریعت کی اجازت ہے کہ جائز وسائل سے جتنا چاہو روپیہ پیدا کرو زکوٰۃ نکالنے کے بعد جتنا چاہو جمع کرو کوئی ممانعت نہیں مگر طریقت یا فقیری کہتی ہے کہ اگر تمہاری محدود اور سادہ ضرورت سے زیادہ آجائے تو حاجتمندوں کو بانٹ دو۔ مذہب فقر میں چاندی سونے کا جمع کرنا عالیشان مکان بنانا عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا حرام ہے واقعی فقیر وہ ہے جو زندگی کو برقرار رکھنے کی غرض سے اور عبادت کی قوت حاصل کرنے کی غرض سے کچھ پیٹ میں ڈال لے۔ لذت زبان مقصود نہ ہو کپڑا موٹا ارزاں جس سے ستر پوشی ہو اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت ہو پہن لے۔ بزرگان سلف جو درویش تھے سب نے ایسے ہی زندگی کی گذاری ہے حضرت ابوذر غفاری علیہ الرحمۃ جو اصحاب صُفہ میں تھے ان پر طریقت کا وہ غلبہ تھا کہ وہ قرآن کریم کی آیت شریف والّذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم" کو پڑھ کر سب کو حکم دیتے تھے کہ جو کماؤ شام تک ختم کردو ورنہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ مسلمان پریشان ہوتے اور خلیفہ وقت سے فریاد کرتے کہ حضرت غفاری نے ہمارا دم ناک میں کر رکھا ہے وہ اس بات کا حکم دیتے ہیں جس کو شریعت حکم نہیں کرتی بھلا ہم بیوی بچوں والے اگر کل کی فکر نہ کریں اور پس انداز نہ کریں، تو ہمارا کام کیسے چل سکتا ہے۔ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام سے مدینہ میں بلوایا اور بڑے ادب سے کہا کہ شریعت اسلامیہ جائز مال کو کل کے لئے بچا کر رکھنے کو منع نہیں کرتی آپ ناحق لوگوں سے الجھتے ہیں حضرت غفاری قرآن پاک کی آیت پڑھ دیتے اور فرماتے بس میں تو اسے جانتا ہوں حضرت ذی النورین فرماتے اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکوٰۃ نکالو اور بغیر صدقہ خیرات دئے بخیلوں کی طرح مال جمع نہ کرو ورنہ ٹھکانا جہنم ہے کیونکہ اگر اس آیت شریف کا یہ مطلب نہ ہوتا تو پھر زکوٰۃ دینے غربا اور مساکین کو امداد کرنے اور والدین اور ذوی القربا کی پرورش اور نیک سلوک کا کہیں ذکر نہ آتا کیونکہ پاس کچھ رہے ہی گا نہیں تو صدقہ ذکوٰۃ کہاں سے نکالی جائے گی مگر چونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر طریقت یا فقیری کا جذبہ غالب تھا وہ کسی اور کی سننا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ وہ آخر میں مدینہ منورہ چھوڑ کر ایک گاؤں میں جا پڑے تھے اور وہیں آپ کا وصال ہوا اور مرنے کے بعد کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں اس روایت کے سنانے سے میرا یہ مطلب ہے کہ بعض درویشوں پر طریقت غالب آجاتی ہے اور وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اس بیخودی کے عالم میں وہ ایسی بات کہہ ڈالتے ہیں یا کر گذرتے ہیں جو شرع شریف کی حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور دنیا دار کو غلط فہمی ہو جاتی ہے ورنہ شریعت کا احترام ہر درویش پر فرض ہے جو درویش ہوش و حواس رکھتے ہوئے خلاف شریعت کوئی کام کرے یا کچھ کہے وہ درویش نہیں ہے۔

راجہ صاحب: حضور بہت سے مشہور کامل درویشوں کے حالات میں نے سنے ہیں جو بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ رہتے تھے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے اور لذیذ کھانے کھاتے تھے اور عالیشان گھروں میں رہتے تھے سواری میں گھوڑے

ہاتھی رکھتے تھے یہ کیا بات ہے۔

شاہ صاحب۔ بیٹا ہاں چند ایسے بھی گذرے ہیں مگر اُن کی شروع زندگی نفس کشی میں گذری اس کے بعد وہ پختہ کار ہو کر شرعی میدان کے مرد بنے جب دولت ان کے قدموں پر بلا طلب برسنے لگی تو انھوں نے اسے حلال جان کر اس سے کام لیا مگر دولت کی جڑ ان کے قلب میں جمنے نہ پائی وہ وقت پر پلاؤ بھی کھا لیتے تھے اور کبھی سوکھے ٹکڑے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے باورچی خانے میں اتنا کھانا پکتا تھا کہ ایک اونٹ بھر کے پیاز کے چھلکے پھینکے جایا کرتے تھے مگر یہ سب غربا اور مساکین کے پیٹ میں جاتا تھا وہ خود تو جَو کی دڈیوں سے واسطہ رکھتے تھے بادشاہ وقت زبردستی اشرفیوں کی تھیلیاں قدموں پہ ڈال جایا کرتے تھے محبوب الٰہی ان کو غربا کو کھلا دیا کرتے تھے ورنہ خود تو انھوں نے شادی تک نہیں کی اور تجرد میں عمر گذار دی۔ بھلا جو شخص نفس کو اتنا زیر کر چکا ہو وہ لذت زبان کے لئے کیا کھانے پکواتا ہوگا۔

راجہ صاحب۔ ہاں حضور یہ نکاح نہ کرنا کیسا اہل شرع تو نکاح کو سنت رسول اور ضروری چیز فرماتے ہیں اور حضور کی حدیث (النکاح سنتی) پڑھتے ہیں۔

شاہ صاحب۔ اہل شرع کا فرمانا درست ہے ان کو ایسا کہنا ہی چاہیئے نکاح نہ کرنے سے مسلمانوں میں فتنوں کے ہزاروں دروازے کھل جانے کا خوف ہے اور اسی حکمت کے زیر تحت حضور بادشاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے نکاح کی تاکیدی سنت جاری فرمائی کیونکہ حضور نبی برحق تھے ان کو دنیا کے جملہ طبقوں کے لئے نمونہ بننا تھا ورنہ حضور سے بڑھ کر کوئی فقیر

درویش پیر صوفی صاحب طریقت کیا ہو سکتا تھا۔ حضورؐ ہی کی جوتیوں کے صدقہ سے دُنیا میں کامل ولی اور قطب غوث بنے۔ مگر اہل طریقت کے لئے حکم ہے کہ اگر نفس پر قابو رکھ سکو تو جائز ہے کہ بیاہ شادی کا پھندا گلے میں نہ ڈالو کیونکہ درویش کا مذہب ہے کہ ایک سانس بھی عبادت یا یادِ حق سے علیحدہ نہ ہو ان کا کہنا ہے کہ انسان کو اللہ جل شانہٗ نے پیدا ہی اسی واسطے کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کرتا رہے قرآن کریم کی یہ آیت ان کے لئے بڑی سند ہے۔ "وماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون" ہم نے جن اور انسان کو بس اسی کام کے لئے بنایا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ پس صوفی یا اہل طریقت کا حکم ہے کہ جو شغل تم کو عبادت یا یادِ مولیٰ سے دور کرے اس سے دور بھاگو خواہ وہ کچھ ہو اگر تم دیکھو کہ بغیر نکاح کے عبادت نہ ہو گی اور مزید غفلت کا سامان ہو گا تو نکاح کر لو۔ کوئی ہرج نہیں ہے اور اگر تم دیکھو کہ ایک نکاح ہزاروں بلاؤں کو ساتھ لیکر آ دیگا اور طریقت اور شریعت سب ہی کا ملیامیٹ کر کے چھوڑیگا تو اسے دھتا بتاؤ اور نفس پہ قابو حاصل کرو۔

اب یہاں شریعت اور طریقت کا فرق بھی نکل آیا یعنی شریعت تو کہتی ہے کہ نکاح ضرور کرو ورنہ تارک سنت میں لکھے جاؤ گے مگر طریقت کا ارشاد ہے کہ اگر نکاح کے بغیر پاکباز رہ سکو تو تمام نہ ہو تا کہ زندگی کا بڑا حصہ اللہ اللہ کرنے میں گزرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے "وماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون" (قرآن پاک)

بغیر نکاح کے رہنا کسی صوفی کا جائز ہے؟ | **راجہ صاحب** ۔ اب میرے گھٹ میں آنتا

جاتا ہے تو اسی بنیاد پر بہت سے بزرگان طریقت نے نکاح نہیں کیا۔ میں نے اکثر اولیاء اللہ کے حالات زندگی سنے ہیں ان میں اکثر ایسے تھے جنھوں نے تجرد میں ہی زندگی پوری کردی مگر اہل شریعت کہتے ہیں انھوں نے اچھا نہیں کیا بلکہ وہ تارک سنت نبوی ہوئے۔

شاہ صاحب۔ ہاں ایک طرح سے وہ ٹھیک کہتے ہیں مگر ان کو پتہ نہیں کہ طریقت کی کلاس شریعت کے بعد کوئی اور ہے جس کے ضوابط کچھ الگ ہیں۔

راجہ صاحب۔ حضور نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اہل شریعت کے نزدیک ترک لذات کوئی ضروری چیز نہیں ہے بلکہ وہ کفران نعمت ہے مگر اہل طریقت کے لئے ضروری چیز ہے لیکن بہت سے فقرا کی بابت سنا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی جائز لذات سے متمتع ہوئے اور ہوتے ہیں یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی کہ ایک طرف ہم اُن کو مصروف لذات دیکھیں اور پھر ان کو فقیر یا درویش یا اہل طریقت مانیں۔

شاہ صاحب۔ میری مثالوں کو سنو اور سمجھو تمھارا وہم دور ہو جائیگا۔ ایک قومی خادم یا اُستاد اپنے نئے شاگردوں یا رضاکاروں سے کہتا ہے کہ تم ہر صبح چاء اور بسکٹ کے عادی ہو اگر تم کو چاء نہ ملے تو تم کوئی قومی خدمت کا کام نہیں کرسکتے تم اس کو چھوڑو تم کو تو روٹی مل جائے یہی غنیمت ہے۔ اگر جواب میں شاگرد کہے کہ جناب اگر مجھے چاء نہ ملے تو میں کسی کام کا نہیں رہتا ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں مجھے چاہے روٹی نہ ملے مگر چاء ضرور ملے تو اُستاد کہتا ہے تم یا تو اس چاء کی غلامی سے استعفیٰ دو یا پھر اپنے آپ کو قومی رضاکار نہ سمجھو دونوں باتیں ساتھ نہ ہوں گی کل گاؤں گاؤں پھرنا ہوگا روکھی سوکھی پر گذر کرنا ہوگا بھلا وہاں چاء

بلکہ ٹ کہاں - ایسے عیش پسند طلبا، لوگ اس قابل نہیں کہ قومی سپاہی بنائے جائیں -
لیکن اگر وہی شاگرد یا کوئی دوسرا کہے کہ میں چا، ضرور پیتا ہوں مگر اس کا عادی نہیں نہ اس کے بس میں ہوں، ملی تو پی لی ورنہ اس کا خیال تک نہیں آتا تو اُستاد کہدے گا کہ تمھارے لئے اجازت ہے کوئی ہرج نہیں اگر تم پی لیتے ہو - بس یہی حال ترک لذّات کا فقرا کے لئے ہے اگر وہ تمام لذات دنیاوی کے اسی طرح عادی اور مطیع ہیں جس طرح اور، تو اُن کو فقیر یا درویش یا صوفی یا اللہ اللہ کرنے والا کہنا درویشی کی توہین کرنا ہے وہ تو خواہشات کے مطیع اور لذّات کے بندے ہوئے - پھر ان میں اور عام لوگوں میں فرق کیا ہوا یہ ضرور ہے کہ اگر یہ لذتیں حلال اور جائز ہیں تو شرعی مسلمان کے لئے کوئی ہرج نہیں مگر صوفی کے لئے خصوصاً مبتدی کے لئے تو زہر ہیں - پس جن بزرگوں کے حالات تم نے پڑھے ہیں کہ وہ درویش کامل اور ولی اللہ بھی تھے اور بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے تو وہ نفس کو اپنا غلام بنا چکے ہوں گے اس لئے ان کو جائز تھا ان کا یہ حال تھا کہ اگر پلاؤ مل گیا تو واہ واہ، روکھے ٹکڑے مل گئے تو واہ واہ - پیٹ بھر کر ملا تو شکر ہے فاقہ ہے تو صبر ہے بس حرام سے بچتے تھے حلال سے نفرت نہ تھی گویا اس منزل پر وہ اہل شریعت ہو کر رہتے تھے اب تم کو شریعت اور طریقت کا فرق بھی معلوم ہو گیا ہوگا اور وہ وہم بھی دور ہو گیا ہوگا کہ فقیر کہلا کر لذّات دنیا میں کیوں مبتلا ہیں -

راجہ صاحب - ہاں حضور خوب سمجھ گیا اللہ آپ کو جزائے خیر دے - مگر حضور کوئی مثال فرمایئے جس سے پتہ لگے کہ آخر مذہب اسلام کے تعلیم گاہ میں کے درجے ہیں اور ان کی تعلیم کیا ہے اور امتحان پاس کرنے والوں کو مختلف قسم کے کیا

انعامات ہیں۔

شاہ صاحب ۔ سُنو۔ ایک جہاز غلاموں سے بھرا ہوا ہے جہاز کا انچارج ان کو اپنے مالک کے پاس لیے جا رہا ہے راستے میں ایک جزیرہ پڑتا ہے جو اپنی نوعیت میں عجیب مقام ہے میٹھے پانی کے چشمے جا بجا کثرت سے بہہ رہے ہیں۔ طرح طرح کے پھولوں سے بھرا پڑا ہے قسم قسم کے لذیذ اور شیریں پھلوں سے لدا ہوا ہے ہزاروں قسم کے خوشنما پرندے ہزاروں قسم کی بولیاں بول رہے ہیں جواہرات کے جگہ جگہ ڈھیر ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ جہاز کا کپتان جہاز کو روک لیتا ہے اور سب سے کہدیتا ہے کہ آج دن بھر کا قیام ہے تم آزادی سے جزیرے میں جاؤ اور خوب پھرو چلو سیر کرو ہر قسم کی سیر و تفریح کرو، پھل کھاؤ پھول سونگھو مگر یہ یاد رہے کہ سورج غروب ہوتے ہی جہاز روانہ ہو جائے گا کسی کا انتظار نہ کرے گا یہ بھی کہدیا جو پہلے آجائے گا وہ بہترین جگہ پائے گا جو بعد میں آئیگا دوم درجہ اسے ملیگا جو اس کے بعد آئے گا وہ تھرڈ کلاس پاوے گا جو نہ آوے گا رہ جائے گا یہ اعلان سُنکر سب غلامان جزیرے میں گھس پڑے اور وہاں کی رنگا رنگی دیکھ کر بیخود ہو گئے اور ان کی ٹولیاں بن گئیں ایک جماعت تو ایسی تھی جو لذات میں مبتلا ہو کر آگے بڑھتے گئے اور اس میں ایسے محو ہوئے کہ ان کو یاد بھی نہ رہا کہ ان کو جہاز پہ بیٹھنا ہے ۔ دوسری جماعت ایسی تھی کہ اس نے جہاز کا جانا تو یاد رکھا مگر لذتوں میں پھنس کر بہت کچھ کھایا پیا اور گٹھریوں میں باندھا اور سر پہ باندھ کر چل پڑے ایک اور جماعت تھی جو جس نے کھایا پیا لطف اُٹھایا اور بھاگ کر اپنے وقت پر جہاز پر آگئے ایک جماعت اور تھی جو جہاز کے چھوٹ جانے کا خوف ایسا تھا کہ وہ دور نہ گئی اور پاس ہی کے

کے چشمے سے پانی پی لیا اور بڑے بھلے پھلوں سے پیٹ بھر لیا اور جہاز پر آ گئے چونکہ یہ جماعت سب سے پہلے آئی اس کو کپتان نے اوّل درجہ میں حسب وعدہ جگہ دی دوسری وہ آئی جس نے کچھ جزیرے کا لطف بھی اٹھایا تھا اس کو چونکہ کسی قدر دیر ہوئی تھی اس کو درجہ دویم ملا تیسری جماعت وہ تھی جو سروں پر پھل اور جواہرات کا ڈھیر لادے ہوئے گرتی پڑتی بڑے حالوں پہونچی اس کو سب سے زیادہ ردّی تھرڈ کلاس میں جگہ ملی اور کپتان نے ان کی حماقت کو دیکھ کر ڈانٹ بتائی اور دو چار لات گھونسے بھی رسید کئے اور کہا بدبختو میں نے یہ کب کہا تھا کہ تم طمع میں مبتلا ہو کر سر پہ بوجھ لاد کر لانا اسی باعث سے تو مصیبت میں پڑے مگر چونکہ تم نے جہاز کو یاد رکھا اور گرتے پڑتے آن ہی پہونچے اس لئے میں تم کو جگہ دیتا ہوں اور جہاز سیٹی دیکر روانہ ہو گیا ایک جماعت جہاز کو فراموش کر کے جزیرے ہی میں رہ گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو جنگل کے درندے نکل آئے اور پھاڑ کر کھا گئے ۔

اے طالب علم طریقت تو سمجھ کہ یہ کہانی اور اس کا مطلب کیا ہے جہاز کو برزخ مانو جزیرے کو دنیا سمجھ جہاز کے کپتان کو نبی رسولؐ مانو جو جماعت جہاز کی روانگی کو فراموش کر کے محو لذات رہی وہی کفار کی جماعت ہے اور اسی کا وہ انجام ہوتا ہے کہ عاقبت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ۔ دوسری جماعت ان ایمانداروں کی ہے کہ عاقبت پر ایمان تو ہے مگر دنیا کی بلاؤں میں پھنس کر اپنے فرائض ادا کرنے میں قاصر رہے خوب نافرمانیاں کیں، گناہوں کا ذخیرہ جمع کیا مگر دل میں ایمان کی چنگاری سلامت رہی جس کے بدولت عاقبت کی سزائیں بھگت کر ذلت اٹھا کر بخش دیئے گئے ۔

تیسری جماعت شریعت پر چلنے والوں کی سمجھو جو دُنیا کی ہر قسم کی جائز اور حلال لذّات سے بہرہ اندوز بھی ہوئے اور نجات اُخروی بھی ہاتھ سے گئی۔

مگر چوتھی جماعت صُوفی درویشوں اور فقراکی ہے جس کے قلب پر آخرت اس قدر غالب ہے کہ وہ غریب جائز انعامات کو بھی اس ڈر سے نہیں چھوتی کہ مبادا عاقبت میں گھاٹا نہ پڑ جائے۔ بھلا ایسی جماعت کی قدر مالک کیسے نہ کریگا جو اس کے عشق میں سب کو تج بیٹھی ہو۔ پس یہی لوگ صاحب طریقت کہے جا سکتے ہیں۔

راجہ صاحب ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! اس سے بہتر طریقہ سمجھانے کا اور کیا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب ۔ بس بھائی آج کا سبق ختم کرتا ہوں اگر تم کو دلچسپی ہے تو کل آکر کوئی بات اور پوچھنا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔
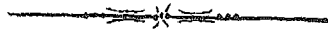
طریقت کا دوسرا سبق

راجہ صاحب ۔ (شاہ صاحب سے) حضور کل تو آپ نے مجھے شریعت اور طریقت کا فرق ایسا سمجھایا کہ میری تسکین ہوگئی ورنہ میں آج تک اسی چکر میں تھا کہ اگر شریعت و طریقت دو چیزیں نہیں ہیں تو پھر دو نام کیوں رکھے گئے مگر میرا دل چاہتا ہے کہ حضور آج بھی اسی سبق کو دوسرے روایات اور الفاظ میں بیان فرمائیں تاکہ میرے دل پر نقش ہو جائے ۔

شاہ صاحب ۔ اچھا سنو ۔ کسی شہر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ جنگل میں ایک ایسا فقیر آیا ہے جو رات دن ایک درخت پر اُلٹا لٹک کر عبادت کرتا ہے نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے آنکھیں بند رکھتا ہے کبھی کبھی اپنے قریب کی ڈالیوں کے پتوں کو چاٹ لیتا ہے ۔ بادشاہ کو ایسے خدا رسیدہ بے نفس درویش کی زیارت کا بڑا شوق ہوا وزیر کو ساتھ لیکر پہونچا دیکھا تو وہی حال ہے جو سنا تھا ۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ کاش مجھے اس ولی اللہ سے بات کرنے کی عزت نصیب ہوتی وزیر نے شاہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا حضرت شاہ صاحب ذرا دیر کے لئے زمین پر تشریف لایئے والیٔ ملک آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں اخلاق اسلامی یہی ہے کہ آپ ذرا دیر کے لئے اپنے مشاغل ملتوی کر کے بادشاہ سلامت سے مل لیں ۔ مگر شاہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا گویا انھوں نے سنا ہی نہیں بادشاہ وزیر سمیت ناکام و نامراد لوٹ پڑے بادشاہ کھسیانہ سا ہو رہا تھا وزیر کا چہرہ بھی غصہ سے تمتمایا ہوا معلوم

ہوتا تھا۔ دوسرے روز وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ فقیر بڑا کج خلق اور بدتمیز ہے
اس نے بادشاہ وقت کی پرواہ نہ کی بادشاہوں کے سر پر بھی چالیس ولیوں کا سایہ
رہتا ہے وہ خود ظل اللہ کہلاتے ہیں بس چاہتا ہوں کہ فقیر کی توہین کے جواب
میں اس کی بھی توہین کی جائے تاکہ اسے پتہ چلے کہ بادشاہ بھی کوئی چیز ہے بادشاہ
نے جواب دیا یہ تو سب سچ ہے مگر اس کا کیا جواب ہے کہ اگر فقیر کے منہ سے بددعا
نکل گئی تو ہمارا اور ہماری سلطنت کا کیا حشر ہوگا تم نے کیا اگلے بزرگوں کے
واقعات اور حالات سُنے نہیں وزیر بولا جہاں پناہ مجھے سب معلوم ہے مگر میں
وہ کروں گا کہ فقیر فقیر ہی نہ رہے تو پھر اس کی دُعا کیا اور بددعا کیا یہ کہکر وزیر
نے ایک شیطان کی ایجنٹ کنیز جس کا نام تو کچھ اور تھا مگر لوگ اُسے ام ابلیس
کہتے تھے حاضر کردی اور بادشاہ سلامت کے روبرو پوچھنے لگے کہو ام ابلیس تم نے
بھی ان شاہ صاحب کو دیکھا ہے جو درخت میں اُلٹے ٹنگے رہتے ہیں کنیز بولی
ہاں میں بھی زیارت کر آئی ہوں سچّے فقیر ہیں اور بڑے کامل ہیں وزیر نے کہا
تم تو دنیا میں چلتی پرزہ ہو کیا کسی طرح ان کی ولایت بھی چھین سکتی ہو کنیز نے
مسکرا کر کہا کیوں نہیں مگر عرصہ لگے گا کیونکہ فقیر سچّا ہے اور روحانیت بہت بڑھی
ہوئی ہے وزیر نے کہا کل ہمارے سرکار کی فقیر نے بڑی توہین کی مُنہ سے نہ بولا
ہم سب غلاموں کو بڑا رنج ہے انتقام کی آگ دلوں میں بھڑک رہی ہے مگر فقیر
کی روحانی قوت سے ڈرتے ہیں تم کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کی روحانیت سلب
ہو جائے اور مزہ جب ہے کہ فقیر خود دربارِ شاہی میں حاضر ہو۔ کنیز نے کہا یہ سب
ممکن ہے بس دیر لگے گی اور کافی خرچ بھی ہوگا بادشاہ بولا اس کی پرواہ نہ کرو ہم

خزانہ پر حکم بھیجے دیتے ہیں کہ تم جو مانگو دیا جائے۔

کنیز درویش کی عبادت گاہ پر گئی اور درویش کے حرکات و سکنات کا غور سے مطالعہ کرتی رہی اور یہ کیا کہ بادام اور مصری پیس کر ان پتوں پر لگا دی اور اس عمل کو برابر جاری رکھا۔ درویش حسب عادت بند آنکھوں سے پتوں کو چاٹتا رہا وہ نہ سمجھا کہ یہ لذت کیوں پیدا ہوئی اور کہاں سے آئی نتیجہ یہ ہوا کہ مقوی غذا نے اپنا کام کیا خون بڑھا توانائی آئی اور مادّی طاقت بڑھی رُوحانی کم ہوئی درویش نے آنکھیں کھولیں تو درخت کے نیچے ایک حسینہ کو بیٹھے ہوئے پایا کچھ نہ سمجھا کہ کیا راز ہے۔ کنیز نے کہا نیچے آؤ اور میری ایک بات سن جاؤ کسی کی نصیحت نہ سننا ایک قسم کا تکبر ہے اور درویشوں کے حق میں تکبر زہر ہے۔ درویش صاحب نیچے اُترے اور کہا کہو کیا کہتی ہو کنیز نے کہا شرع شریف کی پیروی کرو بس اس میں سب کچھ ہے نبی کریم کا یہی حکم ہے تم نے یہ نیا ڈھکوسلا کہاں سے سیکھا ہے نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔ بس آج سے انسانوں کی طرح زمین پر رہو نمازیں پڑھو قرآن مجید کی تلاوت کرو دونوں وقت غسل کرو صاف لباس پہنو، خوشبو سونگھو۔ رہا یہ کہاں سے ہوگا اللہ رازق ہے اس کا انتظام ہو جائے گا ا درویش صاحب نیم راضی سے ہوئے مگر اپنا شغل طریقت بند نہ کیا ہاں اتنا ہوا کہ جب کنیز بادام کا حلوہ اور پراٹھا لاتی تو نیچے اُتر کر آجاتے اور اسے کھا کر سرد گلاس پانی کا پی کر پھر اوپر جا لٹکتے مگر یہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ مقوی اور لذیذ غذاؤں نے مادّی قوت بڑھائی اور روحانیت کو جڑنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کنیز کو محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگے کنیز جو اپنے کام میں ماہر تھی نگاہ پہچان گئی اور بول اُٹھی حضرت شاہ صاحب شرع شریف

کے یہ خلاف ہے کہ میں آپ کو یا آپ مجھے اس طرح دیکھیں اس لئے ہم کیوں نہ نکاح کرلیں اور دونوں اللہ کی یاد کرتے رہیں شاہ صاحب کی سمجھ میں فوراً آگیا اور فرمایا جو مناسب ہو کرو تم میری خیر خواہ ہو، کنیز خوش خوش شہر گئی قاضی گواہ اور شیرینی لائی نکاح ہوگیا، چھوٹا سا خوبصورت مکان بن گیا اس کی آرائش ہوگئی نظر باغ بھی لگادیا گیا شاہی باورچی اور ملازمین کام پر تعینات ہوئے لذیذ کھانے دونوں وقت ملنے لگے میووں کی ڈالیاں آنے لگیں چائے اور پان کا کافی انتظام ہوگیا اور عیش سے کئی سال گذرے۔ شاہ صاحب کا وہ شغل درویشی یعنی نماز معکوس تو شادی ہوتے ہی بند ہوگیا تھا صرف پنجوقتہ سیدھی سادی نماز رہ گئی تھی اس میں بھی خلل پڑنے لگا کیونکہ رات کو زیادہ جاگنے اور پیٹ بھر کے کھانے سے نیند زیادہ ستانے لگی اور صبح کی نماز اکثر قضا ہونے لگی چار سال کے اندر شاہ صاحب کو خدا نے تین بچے بھی دیدیئے جن میں ایک ایک سال کی چھوٹائی بڑائی تھی۔

ایک دن کنیز نے شاہ صاحب کو یہ خبر وحشت اثر سنائی کہ بادشاہ سلامت ہم سے نہ معلوم کس بات پر ناخوش ہوگئے ہیں اور ہمارا وظیفہ بند کردیا ہے نوکر چاکر اپنے گھر گئے اب ہم کہاں سے کھائیں گے شاہ صاحب کے ہوش گم ہوگئے، کنیز شہر گئی اور وہاں سے چند چنے کی روٹی اور بتھولی کا ساگ پکا ہوا لائی اور کہا کہ آؤ اسی سے آج گذر کریں کوئی بات کل سوچونگی یہ بھی کسان سے مانگ کر لائی ہوں بادشاہ سلامت کی ناراضگی کا حال سنکر کوئی ہم سے ہمدردی بھی کرنے پر آمادہ نہیں ہے دیکھئے قسمت کیا دکھاتی ہے۔

بھلا چنے کی روٹی شاہ صاحب کے حلق سے کیسے اترتی مگر بھوک بڑی

ہوتی ہے پانی کے گھونٹ سے کسی طرح آتاری اور شکم کی آگ بجھائی بچوں نے بھی جیسے تیسے دن کاٹا۔ دوسرے دن کنیز نے کہا میری سمجھ میں صرف یہ بات آئی ہے کہ ہم تم معہ بچوں کے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں اور وظیفہ کے جاری ہونے کی درخواست کریں شاید رحم آجائے۔ شاہ صاحب نے کہا جیسا تم مناسب جانو کرو میں تیار ہوں ادھر کنیز نے اپنے آقا بادشاہ اور اُن کے وزیر کو خبر دی کہ وہ فقیر جس کی زیارت کو آپ حاضر ہوئے تھے آپ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور میں اپنا فرض منصبی کل ختم کر دوں گی۔ جہاں پناہ معہ جملہ درباریوں کے موجود رہیں۔

دوسرا دن ہوا کہ شاہ صاحب حسب الحکم زوجہ محترمہ معہ بیوی اور تینوں بچوں کے اس شان سے پاپیادہ روانہ ہوئے کہ ایک بچہ کو کندھے پر بیٹھایا دوسرے کی انگلی پکڑی تیسرے کو گود میں لیا اور بیگم صاحبہ آگے آگے ہوئیں۔

جونہیں محل کے جھروکے کے نیچے پہونچے کنیز نے کہا دیکھو وہ اوپر بادشاہ بیٹھے ہیں، ہاتھ جوڑ کر آواز سے پکارو حضور ہمارا وظیفہ جاری ہو جائے ورنہ ہم پانچ جانیں فاقوں مرجائیں گی۔ شاہ صاحب نے ایسا ہی کیا اور بادشاہ معہ درباریوں کے قہقہہ مار کر ہنسے اور ہم کو پتہ نہیں آگے کیا ہوا۔

بیٹا قصہ ختم ہوا تم نے دیکھا فقیری کیسے ختم ہوئی۔

آنچہ شیراں را کند روبہ مزاج ۔۔۔ احتیاج است احتیاج است احتیاج

شاہ صاحب نے جب اپنے احتیاجوں کو رخصت کر دیا تھا وہ شیر تھے جب احتیاجوں اور ضرورتوں کے غلام بنے لومڑی ہوگئے طریقت والے اس لئے فقر و فاقہ کے عادی ہوتے ہیں بادشاہ ان کے سامنے اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر حاضر ہوتے

ہیں وہ ٹھوکر مار دیتے ہیں خودداری اور ضبط نفس بھی اسی میں ہے اسی وجہ سے
نفس کشی کی جاتی ہے جس کے بغیر طریقت ناکامیاب رہتی ہے دیکھا تم نے طریقت
اور شریعت کا فرق ۔ شاہ صاحب نے کوئی حرکت خلاف شرع نہ کی تھی نکاح کیا
شرع سے عالی شان مکان میں رہے اچھے کھانے کھائے شرعاً سب جائز تھے
کسی کی چوری نہ کی تھی نہ کہیں ڈاکہ ڈالا تھا مگر طریقت کے حق میں یہ سب زہر تھے۔

راجہ صاحب ۔ حضور یہ قصہ تو آپ نے بڑا دردناک سنایا تو فقیر کا کیا دھرا
سب غارت گیا آخر اس کے بعد کیا ہوا ہوگا ۔

شاہ صاحب ۔ ہوا کیا ہوگا بس یہ ہوا ہوگا کہ فقیر کا کچھ وظیفہ شاہی خزانہ سے
مقرر ہوگیا ہوگا اور وہ دربار میں ہر روز سلام کو حاضر ہوا کرتے ہوں گے جیسا
آجکل تم سیکڑوں شاہ صاحبان کو دیکھتے ہو بس دعاگوؤں میں نام لکھا ہوا ہے
ٹکڑا پاتے ہیں اور زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں ۔ ارے میاں فقیر تھے محبوب الاولیا
حضرت نظام الدین کہ دہلی کے بادشاہ کا پیشاب بند ہوگیا ۔ جب سب دوا علاج
کر تھکے تو حضرت کے پاس درخواست بھجوائی کہ مر رہا ہوں دعا فرمایئے حضرت نے
کہلوایا کہ آدھا راج پاٹ کا غذ پر لکھ کر میرے نام بھیجدو تو دعا کروں گا مرتا کیا
نہ کرتا فوراً ایک تحریر مہر اور دستخط کے ساتھ آگئی حضرت شاہ صاحب نے سند
کو لوٹا کر فرمایا اس کاغذ کو طشت میں رکھ کر اسی پہ پیشاب کرو اللہ فضل کر دیگا
چنانچہ یہی ہوا ۔ حضرت کا بادشاہ کو سبق دینا تھا کہ فقیر ایسی سلطنت کو یوں
پیشاب کی دھار پہ مارتے ہیں ۔ بیٹا قرون اولیٰ میں ہزاروں درویش ایسے

تھے ان کے مقدس ناموں سے کتابیں لبریز ہیں تم کو کہاں تک سناؤں۔"

راجہ صاحب ۔ حضور یہ تو فرمایئے کہ وہ نماز معکوس والا فقیر کیا کرتا جس سے نکاح کے بعد متاہل زندگی بسر کرنے پر بھی درویش ہی رہتا۔

شاہ صاحب ۔ وہ یہ کرتا کہ محنت مزدوری۔ ہنر دستکاری یا نوکری سے تھوڑا سا کما لیتا اور سادہ زندگی گذارتا طریقت و شریعت دونوں باقی رہتے لذات اور عیش کے قریب نہ جاتا۔

راجہ صاحب ۔ حضور میں نہ سمجھا کہ بیٹے چاٹ کر بھی وہ درویش رہتا۔ اور بیوی بچوں کے ساتھ رہ کر محنت مزدوری سے شکم پری کرتے ہوئے بھی درویش ہی رہتا یہ کیا بات ہے۔

شاہ صاحب ۔ بھائی درویشی کے بھی مدارج مختلف ہیں پہلا حال اعلیٰ ترین تھا دوسرا اس سے کم کا تھا اگر اس کے بعد وہ فقیر اپنی جائز آمدنی بڑھا کر عیش حلال کرتا تو شرعی مسلمان رہتا اسے فقیر یا صاحب طریقت کہنا غلط ہو جاتا۔

راجہ صاحب ۔ حضور ایک بات اور یاد آ گئی وہ یہ کہ میں اب تک سنتا آیا ہوں کہ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت خدارسی کے چار زینے ہیں ان کے ذریعہ بندہ اللہ سے جا ملتا ہے ان کے متعلق کچھ فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا۔

شاہ صاحب ۔ میاں قصہ تو بڑا لمبا چوڑا ہے میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ مفصل بیان کروں تم کو ایک مثال میں سب سمجھانے کی کوشش کرونگا۔

ایک مکان میں چار کمرے تھے ایک شخص اس مکان میں داخل ہوا پہلے کمرے میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس کے سر پر جانے والے نے ایک

تھپڑ زور سے مارا بیٹھا ہوا انسان کھڑا ہوگیا اور ویسا ہی تھپڑ اس مارنے والے کے رسید کر دیا۔

اب یہ شخص دوسرے کمرے میں گیا ایک آدمی کو بیٹھا ہوا پایا اس نے اس کی پیٹھ پر ایک مکا پوری طاقت سے جمایا مظلوم غصہ سے کھڑا ہوگیا اور چاہا کہ ظالم کو ترکی بہ ترکی جواب دے مگر نہ معلوم کیا سوچ کر خاموش ہو رہا اور دیر تک اپنی پیٹھ کو درد کا اثر زائل کرنے کو ملتا رہا آخر میں اپنے کام میں لگ گیا اور گھونسہ مارنے والے سے کچھ نہ کہا۔

اب یہی شخص تیسرے کمرے میں گیا اس میں بھی ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اس جانے والے نے اس کے منہ پر بھی ایک زور کا تھپڑ جمایا مگر مار کھانیوالا کچھ نہ بولا بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ اس کو کسی نے مارا ہی نہیں۔

اب یہ شخص چوتھے کمرہ میں تھا اور وہی کام کیا جو اور کمروں میں کیا تھا یعنی کمرہ کے مکین کے سر پر زور سے دھول لگایا۔ مکین چونک پڑا اور کھڑے ہو کر دھول لگانے والے کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے روشنی آواز میں بولا بھائی معاف کرنا آپ کے ہاتھوں کو تکلیف ہوئی ہوگی کیونکہ مجھ کم بخت کا سر سخت ہے۔

بیٹا کچھ سمجھے یہ داستان کیا ہے مکان کا پہلا کمرہ شریعت کا کمرہ تھا جس میں اہل شرع بیٹھا ہوا تھا، شرع کا حکم یہی ہے کہ سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے مارنے والے کو تم بھی مارو مگر اتنا ہی جتنا تم کو مارا گیا ہے۔

دوسرے کمرے میں اہل طریقت بیٹھا تھا اسے غصہ تو آیا مگر الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کے سبق نے ضبط کا حکم دیا یہ شخص ابھی خدا شناسی

رستے پر چل رہا ہے منزل پر نہیں پہونچا۔
تیسرا کمرے کا رہنا والا معرفت میں غرق تھا طریقت سے نکلکر معرفت کی منزل پر تھا اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ مارنے والا کون تھا اور مار کس نے کھائی۔
چوتھے کمرہ میں حقیقت کی منزل پر تھا جو سب کا آخری نتیجہ ہے اس کے قلب کی حالت یہ تھی کہ خود تو فنا ہو چکا تھا بس دوسروں ہی کے دکھ کی فکر باقی رہ گئی تھی۔ یہ ہیں مدارج اور منازل اللہ تک پہونچنے کے جو میں نے مختصراً تم کو سمجھائے۔

راجہ صاحب ۔ واہ حضور خوب سمجھایا حضور آج میری آنکھیں کھل گئیں گویا چاروں منزلیں ایک انسانی قلب کی حالت کا نام ہے۔

شاہ صاحب ۔ ہاں یہی بات ہے اب میں دوسری مثال تم کو دیکر سمجھاتا ہوں تاکہ پورا ذہن نشین ہو جائے لو سنو۔
تمہارے سامنے اگر تازہ بادام کا پھل لاکر رکھ دیا جائے تو بالکل سمجھ میں آجائیگا کہ اوپر کا چھلکا شریعت ہے۔ اندر بادام کی گری طریقت ہے اس مغز کے اندر جو تیل ہے وہ معرفت ہے اس تیل میں جو خاصیت اور فوائد ہیں وہ حقیقت ہے۔ اب اس میں جو رابطہ اور سلسلہ ہے وہ سب قابل قدر ہیں کسی کو بیکار نہیں کہا جا سکتا۔ اگر بادام کا چھلکا نہ ہو تو گری یا تخم کی حفاظت نہ ہو، اگر گری نہ ہو تو تیل کہاں سے آئے اگر تیل نہ ہو تو فوائد کہاں سے حاصل ہوں۔
دوسری مثال سنو! بدن کا چمڑا شریعت ہے گوشت طریقت ہے ہڈی معرفت ہے اور ہڈی کے اندر کا مغز حقیقت ہے اگر چمڑا نکال کر پھینک

دیا جائے تو گوشت کی خبر نہیں گوشت سڑ جائے تو ہڈی کی خبر نہیں ہڈی نہ ہو تو مغز کہاں رہے۔ پس شریعت نماز پڑھنا سکھاتی ہے نماز میں لذت پیدا کرنا طریقت کا کام ہے، لذت میں محویت اور بیخودی معرفت کا نام ہے، اسکے بعد قلب میں خاص حالت پیدا ہو وہی حقیقت ہے۔

طریقت کا تیسرا سبق

راجہ صاحب ۔ حضور والا کل میں نے ہندو پنڈتوں سے بات چیت کی جب میں نے کہا کہ مجھے سری کرشن مہاراج کے درشن ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ یہ زمانہ عربی اوتار سری محمدؐ جی کا ہے اُن کے دامن میں موکش اور اُن پر ایمان لانے سے نجات ہے تو پنڈتوں نے کہا اگر ایسا ہوتا تو وید پران بھگوت وگیتا میں اس کا ذکر ضرور ہوتا حالانکہ پران میں کلنکی اوتار کا تذکرہ ضرور ہے مگر اس میں نہ تو محمدؐ صاحب کا ذکر ہے اور نہ اُن کے ماں باپ کا ہم کیسے مان لیں کہ کلنکی اوتار یہی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا ہے کہ میں اپنے گرو سے پوچھ کر اس کا جواب دوں گا۔

شاہ صاحب ۔ بیٹا اُن سے کہو کہ روحانی کتابوں میں اشارے ہوا کرتے ہیں وِدّوان اور گیانی لوگ معنی نکال لیتے ہیں۔ دیکھو کلنکی پران میں لکھا ہے کہ جب سنسار میں پاپ چھا جائے گا اور چاروں اور بداعمالیوں کا

اندھیرا گھیر لیگا اس سمے ایشور ایک منش کے روپ میں اوتار لیگا اور اس کے آتے ہی کچھ شدھ آتما یعنی پاک روحوں والے تو فوراً ایمان لاکر اس کے سہایک یعنی مددگار بن جائیں گے کچھ ایسے ہوں گے جو آتمک چمتکار یعنی معجزہ دیکھ کر دھرم مارگ یعنی راہ نجات اختیار کریں گے کچھ لوگ اس کے ستانے اور دکھ دینے میں برابر لگے رہیں گے جنکا وہ ناش کریگا اور وہ نرک کی اگنی میں ہمیشہ کیلئے ڈال دیئے جائینگے یہ بھی لکھتا ہے کہ اس اوتار کی شکشا یعنی تعلیم دنیا بھر کے لئے ہو گی اسکے بعد پھر کوئی اوتار نہ ہو گا۔ اس کی تعلیم ایسی اٹل ہو گی کہ اس پر ساری دنیا کو مجبوراً چلنا پڑیگا، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سارے سنسار کے لئے دیا وان یعنی رحمت بن جائیگا آگے چل کر صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ اوتار شمبل دیش میں پیدا ہو گا برہمن کے گھر میں ہو گا اس کے باپ کا نام وشنو داس اور ماں کا نام سومتی ہو گا۔

اب غور کرنے والوں نے مان لیا ہے کہ شمبل دیس عرب کو کہا گیا ہے وشنو داس کا صحیح ترجمہ عبداللہ ہے اور سومتی کے معنی آمنہ کے ہوتے ہیں ہاں اوتار خود کا نام بھی مہامت لکھا ہے یعنی محمدؐ اور برہمن یعنی سید قریشی اور اس سے زیادہ وضاحت کیا درکار ہے۔

سب دنیا جانتی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے ساری دنیا کی کیا حالت ہو گئی تھی خود عرب کی حالت تو یہ تھی کہ جانوروں اور ان میں کوئی فرق نہ رہا بات بات پر سیکڑوں گردنیں دھڑ سے الگ کر دی جاتی تھیں بت پرستی آجکل کی سی سیدھی سادی نہ تھی بلکہ انسانوں کی قربانی انکے سامنے ان کو راضی کرنے کی غرض سے کی جاتی تھی چنانچہ ہمارے بڑے سرکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ حضرت عبداللہ بھی ایک مورتی کے
سامنے بلی دان ہونیوالے تھے کیونکہ ان کے ماں باپ نے یہ منت مانی تھی
کہ اگر ہمارے اولاد ہوئی تو ہم پہلوٹی بچے کو تمہارے بھینٹ چڑھا دیں گے
چنانچہ حضرت عبداللہ کو جب قربان گاہ میں لائے تو غیروں کو ان کی بھولی
صورت دیکھ کر دیا آ گئی یعنی رحم آ گیا اور سب نے کہا کہ اس بچے کے عوض
سو اونٹ قربان کر دو۔ اس طرح ان کی جان بچی۔ ہم فقیر کہتے ہیں کہ من میں
دیا یا دل میں رحم کس نے بھیجا، اس دیالو پرم آتما اللہ تعالیٰ نے۔ کیوں، اس لئے
کہ اُن کے پشت سے ایک ایسا مہا دیالو اوتار پرگھٹ یا پیدا کرنا تھا جو ایسی
مورتی پوجا یا بت پرستی کو سنسار سے نشٹ کر دیگا یا مٹا دے گا۔

ذرا سے معمولی جھگڑے میں تین پشت تک لڑائی جاری رہی۔

ایک مرد بھیڑ بکریوں کی طرح بیویاں کرتا تھا، لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے
شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی۔ جب باپ مر جاتا تو باپ کی بیویوں کو بیٹے اور
سامان اور جائداد کی طرح تقسیم کر لیتے تھے، زور آور کمزور کو پکڑ کر بازار میں
بیچ دیتے تھے خریدنے والا غلام بنا کر رکھتا اور روکھا سوکھا ٹکڑا دیکر رات دن کام
لیتا، نہ نکاح نہ طلاق نہ خلع نہ عدالت نہ قانون نہ کوئی بادشاہ نہ حاکم۔

جب بڑے سرکارؐ کو چالیس برس کی عمر میں اکاش بانی یا وحی آئی کہ تم سارے
جگ کے موکش دینے والے یا نجات دہندہ ہو تم کو ہمارے سرکار سے رحمۃ للعالمین
کا خطاب دیا جاتا ہے۔ سو ذرا جبھی تم ہی دیکھ لو کہ ساری دنیا میں گھوم آؤ تم کو ایک
دیس بھی ایسا نہ ملیگا جہاں کوئی نہ کوئی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہنے والا

نہ ہو گا۔ تم جب کبھی سرکارؐ کی جنم بھومی یعنی وطن مکہ اور مدینہ جاؤ گے تو تم کو دیکھ کر حیرت ہو گی کہ کس کس ملک کا آدمی کہاں کہاں کیسے کیسے دُکھ سہ کر اور کتنا پیسہ خرچ کر کے جاتا ہے۔ کیا کسی دوسرے اوتار کو یہ رتبہ ملا ہے، تمہارے برادری والے اسی دھوکے میں ہیں کہ کلنکی اوتار کوئی اور ہو گا۔

راجہ صاحب۔ گرو مہاراج ہاں مجھے یہ اور سمجھا دیجئے کہ حضورؐ ساری دُنیا کے لئے شانتی اور رحمت کیسے ہوئے۔ آپ تو عرب سے باہر کبھی نہیں گئے۔ یہ دُگدا میرے من میں ہے۔

شاہ صاحب۔ ہاں تم نے اچھا کیا یہ سوال کر لیا یہ مسئلہ سمجھنے کا ہے دیکھو حضورؐ کے آنے سے عرب کی بُت پرستی اور بتوں کے روبرو انسانی قربانی بند ہو گئی تو آپ اُن بچوں کے حق میں رحمت بنے یا نہ بنے اس وقت تک اگر حضورؐ تشریف نہ لائے ہوتے تو کروڑوں بچے بتوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہوتے۔

اب غور کرو کہ حضورؐ نے سارے عرب کا یہ عقیدہ بنا دیا کہ لڑکیوں کو جو والدین پالتے ہیں اور اُن سے لڑکوں کی طرح محبت کرتے ہیں اللہ اُن سے راضی ہوتا ہے اور اس کا بدلا ان کو دین و دنیا میں دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم عرب سے جاتی رہی اب تم ہی بتاؤ کہ حضورؐ لڑکیوں کے حق میں رحمت بنے یا نہ بنے۔

حضورؐ سے پہلے عورتوں کا حال تم کو سُنا چکا ہوں اُن کا درجہ بھیڑ بکریوں کا سا تھا حضورؐ نے فرمایا اور سمجھایا اور منوا دیا کہ عورتیں مردوں کی طرح برابر کا حق اللہ کے دربار میں رکھتی ہیں۔ کوئی مرد چار سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا۔

وہ بھی اشد ضرورت کی حالت میں اور اس شرط سے کہ سب کو برابری کا حق دے ورنہ عام طور سے یہی بہتر ہے کہ ایک مرد ایک ہی عورت پر اکتفا کرے عورتوں کو مردوں سے حق مہر دلوادیا۔ ماں باپ کے ورثہ میں حصہ دلوایا اولاد سے فرمایا کہ جنّت تمہاری ماؤں کے تلے ہے یعنی اگر تم بعد مرنے کے جنّت چاہو تو ماؤں کو راضی کرو اور ان کی خدمت کر کے ان کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔

والدین کو حکم دیا کہ تم جس طرح لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر کوشش کرتے ہو اسی طرح لڑکیوں کا پڑھانا لکھانا ہنر سکھانا تم پر فرض ہے کیونکہ تحصیل علم مردوں اور عورتوں دونوں پر فرض ہے اور یہ فرض لڑکیاں خود بغیر امداد والدین کے نہیں ادا کر سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ اب تم ہی بتاؤ کہ حضورؐ کی ذات اقدس عورتوں کے حق میں رحمت ثابت ہوئی یا نہ ہوئی؟

تم کہو گے کہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ صرف عرب کی لڑکیوں یا عورتوں کے لئے رحمت تھے نہ کہ اور ملکوں کے لئے۔ نہیں حضورؐ سب دنیا کے لئے لڑکیوں کے حق میں رحمت ہیں کیونکہ اسلام کے وعظ سُن سُن کر دُنیا کی اور قوموں نے اپنی اصلاح شروع کر دی ہے۔ یورپ میں تم نے سُنا ہوگا کہ عورتوں نے اپنے حقوق طلبی زور شور سے شروع کر دی ہے وہ بھی والدین کی جائداد میں حصہ مانگتی ہیں طلاق اور خلع کے حق مانگ رہی ہیں اور صاف صاف کہتی ہیں کہ مردوں کی ہر چیز اور ہر کام میں ہم برابر کے حصہ دار ہیں، تمہارے ہندوستان ہی کو لو اب سے ہزار برس پہلے عورتوں

کی کیا حالت تھی۔ بیواؤں کو شوہر کے مرجانے کے بعد اس بری طرح رکھا جاتا تھا کہ وہ زندگی کو عذاب سمجھ کر خود کشی کو بہتر سمجھتی تھیں اور شوہر کے ساتھ زندہ آگ میں جل جانا منظور کرتی تھیں اب تک ہندو عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو مسلم عورت کو مل رہے ہیں آج کل آریہ سماجی بھائی عورتوں کو وہ جملہ حقوق دلانے کی کوشش میں ہیں جو اسلام نے اپنے پیروؤں کو اب سے پونے چودہ سو برس پہلے دیئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب عورت و مرد میں نباہ کی صورت نہ ہو تو مرد طلاق دیدے یا عورت خلع کرالے لڑکیوں کو والدین کی جائداد میں سے حصہ ضرور ملنا چاہیئے۔ شوہر کے مرجانے پر عورتوں کو دوسری شادی کرنے کی آزادی ہے چنانچہ بدھوا بواہ کی سبھائیں خوب کام کر رہی ہیں اور رانڈوں کی دوسری شادیاں ہونے لگی ہیں۔

خود ہمارے راجپوت بھائی بھی عرب قدیم کی طرح لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے مگر اب وہ رسم غائب ہے بیواؤں کی شادی کی طرف بھی ان کا کافی رجحان ہے اور اسکی ترویج میں جان لڑا رہے ہیں آخر ان اخراجات کا مخرج وہی اسلام ہی ہے جو پیغمبر حضورؐ کے منہ سے نکلا پس اگر میں کہوں کہ حضورؐ کی ذات گرامی دنیا بھر کی عورتوں کے حق میں رحمت ہے تو کیا بیجا ہے۔

اور سنو! حضورؐ کی حدیث ہے کہ ہرے درخت کو بلا اشد ضرورت کے نہ کاٹو پھل دار درخت کے نیچے بول و براز یعنی بول و تبرز کبھی نہ کرو، سایہ دار درختوں اور پھل پھول والے پیڑ ایک مخیر امیر اور بافیض عالم و درویش کے مثل ہیں کیونکہ ان کی ذات سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے پس نباتات کے حق میں بھی حضور کی ذات گرامی رحمت بن گئی۔

اور سنو! حضورؐ نے فرمایا ہے کہ کسی جاندار کو بلا ضرورت اور بلا وجہ خاص کے
نہ مارو پالتو جانوروں کی جن سے انسان اپنا کام لیتا ہے اگر وقت پر دانہ پانی کی خبر
نہ لی وہ ظالم اور جہنمی ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ بھوکے پیاسے جانوروں کو ذبح کر دیتے ہیں
وہ قیامت میں پکڑے جائیں گے اور ظالموں اور خود غرضوں کی صف میں کھڑے کئے
جائیں گے۔ فرمایا کسی جانور پر اس کی طاقت بل اور بوتے سے زیادہ بوجھ لادنا قابلِ معافی
جُرم ہے اور جانور بد دُعا کرتا ہے اور ظالم دُنیا و آخرت میں جواب دہ ہے۔ قیامت کے
دن جانور فریادی ہوگا اور حکم ہوگا کہ آج جانور اپنا بوجھ انسان پر لادے اور پشت پر اسی
طرح کوڑے لگائے جیسے کہ وہ مارا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ راجہ جی اب کہو ہمارے حضورؐ
کی ذات اقدس جانوروں کے حق میں بھی رحمت ہوئی یا نہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں
کہ ایسی باتیں یا احکامات کسی اور کی مذہبی کتابوں میں ہیں اگر ہیں تو مجھے لا کے
دکھا دو اگر نہیں ہیں تو لا محالہ سب کو کہنا اور ماننا پڑیگا کہ حضور محمد رسول اللہ
آخری اوتار اور سارے دنیا کے سکھ داتا بن کر آئے اور ان کی مالک کے دربار
سے جو رحمۃ اللعالمین کی پدوی (خطاب) ملی ہے وہ بالکل صحیح واجبی اور حق
بجانب ہے میں تم کو ثابت کرسکتا ہوں کہ حضور سرکار صلعم چرند پرند انسان
حیوان جن و انس، خاک، باد، آب، آتش سب کے حق میں رحمت بنکر
آئے ہیں اور وہ آخری اوتار ہیں بس اس کے بعد مہاپرشے کا آنا ضروری ہے۔
راجہ صاحب۔ میرے ست گرو، میرے مرشد، میری منجدھار میں پھنسی
ہوئی نیا کو پار لگانے والے ہیں آپ کو دھنیا د دیتا ہوں اور آپ کا احسان
مانتا ہوں کہ آپ اپنے ست بچن سے میرے من کو شانت کر رہے ہیں۔

آپ کی باتیں میرے گھٹ میں امرت کی طرح اُتر رہی ہیں اور میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ عرب دیس کے آخری اوتار حضرت محمد الرسول اللہ (ان کی آتما شانت ہو) سچ مچ کے رحمۃ اللعالمین یا مہا دیا لو گرو ہیں۔ اب میں ایک بنتی (عرض) کہ آپ نے مہا پرلے کا نام لیا ہے تو مجھے اس کی کتھا سُنائیے جس سے پتہ لگے کہ کب آئے گی اور اس کے لکھشن یعنی آثار کیا ہیں؟

شاہ صاحب۔ بیٹا اسلام کا نِوّاٹل اور امِٹ عقیدہ ہے کہ موجودہ دنیا کا ایک دن خاتمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ مُردوں کو پھر زندہ کر کے عدالت کریگا اور مجرم کو سزا اور فرمانبردار کو انعامات دیگا قیامت یا مہا پرلے کو کل مذاہب مان رہے ہیں سب نے قیامت کی نشانیاں بتائی ہیں مگر کسی نے کوئی زمانہ سن یا مہینہ نہیں بتایا یہ بات کل دھرموں کی راز ہی رہی ہے اور ابتک ہے آتمک گیانیوں یا روحانی پیشواؤں کو معلوم بھی ہو تو ظاہر کرنے کا حکم نہیں دُنیا کے کُل دھرموں نے جو جو نشانیاں بتائی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:۔

گھر گھر نیا مذہب ہوگا۔ انسانی ہمدردی جاتی رہے گی۔ مطلب کی دُنیا ہوگی باپ کو اولاد سے اولاد کو باپ سے بھائی کو بھائی سے بہن کو بہن سے خود غرضی کی محبت ہوگی۔ چوری۔ دغابازی مکاری جھوٹ فریب بددیانتی کی برائیاں صرف کتابوں میں ہوں گی کسی کے دل پر اس کا اثر نہ ہوگا۔ چالاکی، فریب، دغا کو لوگ ہنر سمجھنے لگیں گے۔ اچھے لوگ اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی غرض سے جنگلوں اور پہاڑوں کے دَرّوں میں بھاگ جائیں گے۔ لوگوں کی زبان پہ تو خدا، اللہ، پرماتما، ایشور وغیرہ ہوگا مگر دل

سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ عبادت کریں گے تو دکھاوے کی خیرات کرینگے تو دکھاوے کی اور پوجا پاٹ کریں گے تو دکھاوے کی، خدا کے نام پر ایک دوسرے کا گلا کاٹیں گے۔ غلام ہوں گے نفس اور شیطان کے اور نام رکھیں گے عبداللہ یا ایشور داس۔ کام، کرودھ، لوبھ، موہ کے سب بندے ہو جائیں گے۔ بس پیسہ یعنی دھن سب کا اللہ سب کا ایشور سب کا گاڈ ہوگا جو جب چاہے پیسہ دے کر جس کا دل چاہے ایمان، دھرم، عفت و عصمت خرید لے گا۔ کنواری لڑکیاں اپنے منھ سے بر مانگیں گی محسن کشی، اور احسان فراموشی عام ہو جائے گی اس لئے کوئی کسی پر رحم نہ کرے گا اور محسن پیدا ہونے بند ہو جائیں گے۔ برہمن شودر سے ناتہ کریں گے۔ نیچ ذات والے برابری کا دعویٰ کریں گے۔ مسلمان سُور کھانے کو اور ہندو گئے خوری کو بُرا نہ جانیں گے۔ شودر گلوں میں جنیو ڈالیں گے اور شریف ہندو جنیو کو توڑ پھینکنے کو اچھا جانیں گے۔ گاڑیاں یعنی بیل اور گھوڑے اونٹ اپنے آپ دوڑیں گی۔ سواری کا گھوڑا گھاس کی جگہ پتھر کھائے گا۔ آسمان کی بجلی انسانوں کی خدمتگار بن جائے گی۔ آدمی لاکھوں کوس بیٹھ کر آپس میں بات کریں گے۔ ہوا، پانی، آگ سب انسانوں کے حکم پر کام کرنے لگیں گی۔ انسان بغیر پر کے ہوا پر اُڑے گا۔ خدا دلوں سے نکل جائے گا۔ ایشوری گیان یا ایشور بھگتی کو لوگ پاکھنڈ کہیں گے۔ مُلّا مولوی پنڈت، سادھو فقیر سب پیٹ کے بندے بن جائیں گے۔ اچھے لوگ اپنے آپ کو پاپیوں کے بھیس میں گپت کرلیں گے۔ دیانت اور امانت کا نام نہ رہے گا کوئی کسی پر بھروسہ نہ کریگا۔

گاہک اور دوکاندار دونوں جھوٹ بغیر اپنا کام نہ چلا سکیں گے۔ لوہا سونے کے بھاؤ بکنے لگے گا۔ گھاس اور پھوس اور کپڑے سے سکّے بنائے جائیں گے۔ رعیت بادشاہ کو اپنے حکم پر چلانا چاہے گی۔ بادشاہ کے دل میں رعایا کی ہمدردی نہ رہے گی۔ جاہلوں کے حکم پر عالموں کو چلنا پڑے گا۔ دانا نادانوں کے مدد کے محتاج ہو جائیں گے۔ شاگرد اپنے گروؤں کو اپنا خدمتگار سمجھیں گے۔ بیوی باہر پھرے گی میاں گھر کی رکھوالی کریں گے عورتیں بچہ پیدا ہونے سے نفرت کریں گی۔ عدالت جھوٹوں کو جِتائے گی اور سچّوں کو ہرائیگی رعایا کی رکھشا کرنے والے محافظ خود رعایا کو لوٹنے لگیں گے۔ باڑا خود کھیت کو کھانے لگے گی، بیماریاں بڑھیں گی حکیم اور ویدوں کا زور ہوگا خلق کی خدمت بغیر دام لئے کوئی نہ کرے گا۔ بس بیٹا کہاں تک سُنو گے بہت کچھ تو ہو چکا ہے کچھ باقی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پچاس برس کے لگ بھگ میں امام مہدی پیدا ہو جائیں گے اور کامل چالیس برس تک ظاہر نہ ہوں گے۔ اس چالیس برس میں اور خرابیاں جو بڑھنی ہوں گی بڑھ جائیں گی اور کل جگ مکمل ہو جائیگا اس وقت مہدی مہاراج پرگھٹ ہو کر دشٹوں کو ڈرائیں گے۔ پاپیوں سے توبہ کرائیں گے جو نہ مانیں گے ان کو نرک میں پہونچائیں گے جو ان کی مدد کریں گے ان کو اپنی حفاظت میں لیں گے اس کے بعد وہ دَور آئے گا کہ ساری دنیا ایک خیال کی ہو جائے گی اور ست جُگ کا سمے پھر لوٹ آئے گا، بس ایک سو برس کا یہ ست جگی زمانہ رہے گا اور بعد میں قیامت یعنی مہاپرلے آ جائے گی۔ آگے جو ہو وہ مالک جانے۔

راجہ صاحب۔ حضور نے فرمایا کہ مہدی مہاراج کے راج میں سب دنیا ایک خیال کی ہو جائے گی اس کا کیا مطلب؟ کیا سب مسلمان ہو جائیں گے؟

شاہ صاحب - بس ان معنوں میں سب دنیا مسلمان کہی جاسکے گی کہ سب کا چال چلن قرآن شریف کے احکامات کے مطابق ہو جائیگا - یہ کوئی ضروری نہیں کہ سب کے سب ایک ہی قسم کے لباس پہنیں، ایک قسم کے نام رکھیں، ایک قسم کے رسم و رواج اختیار کریں -

اسلام کے معنی بھی تو فرماں برداری اور سلامتی کے ہیں یس سب مالک کے حکم پر گردن ڈال دیں گے - دیکھو گرو نانک رحمۃ اللہ علیہ گو مسلمان برادری میں شامل نہ تھے مگر معمولی طور سے وہ مسلمان ہی تھے کیونکہ انھوں نے قرآن کریم کی تعلیم کی تبلیغ کی، بُت پرستی اور مورتی کھنڈن کا اعلان کیا -

اسی طرح سے اور بہت سے بزرگ مثل سوامی رام تیرتھ ایم - اے - سوامی دیانند سرستی باوا کبیر داس وغیرہ گذرے ہیں -

راجہ صاحب "حضور آپ نے سوامی دیانند کو کیسے بزرگوں میں داخل کرلیا وہ تو اسلام کے کھلے دشمن تھے اور قرآن مجید کی تردید کی جان توڑ کوشش کی ان سے بڑھ کر تو آج تک دنیا میں کوئی متعصب ہوا ہی نہیں مجھ میں جو مسلمانوں کے خلاف تعصب تھا وہ انھیں کی تعلیم کا اثر تھا"

شاہ صاحب - سوامی جی اسلام کے دشمن نہ تھے ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ہوں - کیونکہ اسلام کے تو بہ جملہ اصولوں کو پسند کر کے اپنے مذہب میں داخل کرلیا گویا قرآن مجید کی تبلیغ انھوں نے کی - اگر کوئی دوا کونین کو کڑوا کہہ کر اس کی بُرائی کہتا رہے مگر کونین کو کھاتا رہے تو ملیریا اس کا ضرور ہی چلا جائے گا - کونین نفع دینے سے اس بنا پر انکار نہ کرے گی کہ وہ مجھے بُرا کہتا ہے - اسی طرح

قرآن مجید کی ہدایتوں پر جو قوم بھی عمل کرے گی فائدہ اٹھائے گی"۔

راجہ صاحب " مگر حضور اگر ایسا ہی تعصب آریہ سماجیوں کی طرح رہا تو دنیا میں کیا شانتی ہوگی اور ست جگ کا زمانہ کیونکر کہا جا سکے گا"۔

شاہ صاحب " نہیں نہیں یہ کیش بات اور تعصب بالکل غائب ہو جائیگا اور سب دنیا جب قرآنی تعلیم پر چلنے لگے گی تو پھر کسی سے کسی کی عداوت اور رقابت نہ رہے گی وہ تو مہدی مہاراج سب کو ٹھیک کر لیں گے دنیا کو یا تو ان کے حکم پہ چلنا ہوگا ورنہ ان کے مخالف باقی ہی نہ رہیں گے۔

راجہ صاحب ۔ حضور میں نے سنا ہے کہ ہمارے شریر (جسم) اور آتما (روح) سب کے مالک سری محمدؐ جی مہاراج مہدی کے روپ میں جنم لیں گے۔

شاہ صاحب " اللہ بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوگا اس میں ساری شکتیاں یعنی قدرت موجود ہے۔ حدیثوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ان کے مِتروں یعنی صحابیوں نے امام مہدی کا پتہ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ امام مہدی کے والد کا نام اور ان کی ماں کا نام وہی ہوگا جو میرے والدین یعنی ماتا پتا کا تھا اور وہ عرب دیس کے ہوں گے تو صحابیوں میں سے ایک بول اٹھے کہ کہیں حضور خود ہی تو نہ ہوں گے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر رہ گئے اور کچھ جواب نہ دیا"۔

یہ فرما کر شاہ صاحب نے کہا کہ بس آج کا سبق ختم سمجھے اور بھی کام ہیں۔ تم کل آکر کوئی سوال کرنا۔ راجہ صاحب رخصت ہو گئے۔

طریقت کا چوتھا سبق

راجہ صاحب۔ گرو جی! آج تو میرے من میں ہے کہ آپ کے پوتر مکھ سے اسلام کے مہاتماؤں یعنی ولیوں درویشوں اور بزرگوں کا حال سن کر اپنے دل کو تسکین اور من کو سنتوش دوں کیونکہ اپنے بھائی برادری والوں کے ہاتھوں جو دکھ مجھ کو پہونچ رہے ہیں اس سے کبھی کبھی میرا من رنجیدہ ہو جاتا ہے۔"

شاہ صاحب۔ "شاباش اچھی کہی، قرآن مقدس میں بھی لکھا ہے کہ اولیا اللہ کے ذکر سن کر اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اچھا سنو!"

"حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا جیون چرتر یعنی سوانح حیات تم کو سناتا ہوں ہمارے بڑے سرکار صلعم کی بیوی حضرت اُمّ سلمہ کی ایک خادمہ کی گود میں ایک لڑکا تھا اس کا نام حضرت خلیفہ دوئیم نے حسن رکھا تھا۔ وہ بچہ ایسا پیارا پیارا تھا کہ کبھی کبھی جب ان کی خادمہ کام سے لگی ہوتی تو اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ اس کو گود میں لے کر دودھ پلانے لگ جاتیں اور کبھی کبھی خود سرور عالمؐ بھی ہاتھوں میں لے کر پیار کرتے یہ بچہ بڑا ہو کر بصرہ شہر میں رہنے لگا۔ جب حضورؐ دنیا سے پردہ کر گئے اور حسن بصری جوان ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی نظر ولایت نے روحانی تعلیم کے لئے چن لیا اور جملہ روحانی تعلیم کا خزانہ ان کے سینہ میں بھر دیا گویا حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت علیؓ کے طریقت

وسلوک میں پہلے خلیفہ ہوئے، چنانچہ تم دیکھو گے کہ جملہ چشتیہ طریق کے شجرے حضرت حسن بصری کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہ تک پہنچتے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن بصری نے جب اُم المومنین کا دودھ پیا حضور سرورِ عالم رحمۃ اللعالمین کے گود میں کھیلے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے نام رکھا اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنا رُوحانی خلیفہ بنایا تو تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کس پایہ کے ولی اللہ ہوں گے اور کیا کچھ نہ ہوں گے۔

حضرت حسن بصریؒ علوم ظاہر و باطن دونوں میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے بڑے عابد اور بڑے واعظ تھے۔

حضرت حسنؒ کے پڑوس میں ایک مجوسی رہتا تھا جو حضرت کو ہر صبح سلام کیا کرتا، ایک دن وہ بہت بیمار ہوا گویا مرض الموت میں مبتلا ہوا حضرت حسنؒ اس کی عیادت کو گئے دیکھا کہ آخر وقت ہے کہا کہ بھائی تم میرے ہمسایہ ہو مجھ پہ تمہارا حق ہے اب ایسے نازک وقت میں میں تیری مدد کرنا چاہتا ہوں تو آہستہ سے میرے کان میں کہدے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ بس بیڑا پار ہے، مجوسی جس کا نام شمعون تھا کہا کہ آخری وقت میں کیا کلمہ پڑھو ہاں اگر تم مجھے لکھ کر دے دو کہ اللہ نے مجھے بخش دیا تو خیر یہ بھی سہی آپ نے ایک پرچہ لکھ دیا کہ تو اگر اب بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تو میں رحیم و کریم کی رحیمی و کریمی پہ بھروسہ کرکے وعدہ کرتا ہوں کہ تو جنتی ہوگا۔ پس شمعون نے کلمہ پڑھا اور کہا یہ شرط ہے کہ یہ پرچہ جو آپ نے لکھا ہے میری قبر میں میرے ساتھ دفن کردیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے

ہی روز حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ شمعون مجوسی جنت الفردوس میں خوش خوش پھر رہا ہے حضرت حسنؒ نے کہا کہو کیسی گذری کہا آپ کی بات سچ ہوئی اور مالک نے آپ کی بات رکھ لی تو تم اپنا پرچہ واپس لو اب میرے کس کام کا ہے حضرت حسنؒ جب صبح سو کر اُٹھے تو دیکھا ان کے ہاتھ کا وہی پرچہ جس کو انھوں نے اپنے ہاتھ سے قبر میں رکھا تھا ان کے بستر پہ رکھا ہوا ملا آپ اس روز سارے دن روتے رہے اور فرماتے رہے کہ مالک کارساز تو بڑا ذرہ نواز ہے تو نے مجھ ایسے نافرمان بندہ کی لاج رکھ لی۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ بنی اُمیہ کی خلافت کے دور میں تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز آپ کا بڑا معتقد خلیفہ تھا۔ آپ اس کو نصائح فرماتے رہتے تھے اور آپ کے ہی فیض صحبت کا اثر تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بادشاہ ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

بصرے کی عورت ولیہ حضرت رابعہ بصری جو بڑی زبردست ولی کامل گذری ہیں آپ ہی کے زمانہ میں تھیں۔ جب تک وہ مجلس میں نہ آجاتیں آپ معرفت الٰہی کا وعظ شروع نہ کرتے اور فرماتے کہ ہاتھی کا چارہ چیونٹی کے منھ میں کیسے دیدوں۔

طریقت کا پانچواں سبق

راجہ صاحب: "ہاں یہ تو فرمایئے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کو کب چھوڑا۔"

شاہ صاحب: "ان کا وصال یکم رجب ۱۱۰ھ میں ہوا ہے اسی لئے ہم لوگ پہلی تاریخ رجب کو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ کرتے ہیں کیونکہ وہ گروؤں کے گرو تھے۔

راجہ صاحب: "حضور یہ فاتحہ عرس کیا ہے میں نے سنا ہے کہ بعض مولوی اس کو برا بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فاتحہ درود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی ایجاد ہیں اس لئے گناہ ہیں۔"

شاہ صاحب: "ارے راجہ تو نے یہ قصہ برا چھیڑ دیا ہم فقیروں کو ان جھگڑوں سے واسطہ نہیں ہمارا تو مذہب ہے کہ جس ذریعہ سے مالک کے درشن ہوں بس اسی کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ اصل مقصد ہمارا مالک سے ملاقات ہے ان ملا مولویوں اور گیانی پنڈتوں کو اسی دلدل میں پھنسا رہنے دو۔ مگر تم نے بات چھیڑ دی ہے تو اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ہاں ملا مولویوں کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ فاتحہ درود بڑی عرس اور بہت سی ایسی رسمیں جو سرکار صلعم کے بعد کی ہیں جن کو وہ بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کے معنی نئی بات

سکے ہوتے ہیں، مگر وہ لکیر کے فقیر ہیں ان کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ دنیا اور اس کی رہن سہن ترقی کر رہی ہے، ترقی کرتی آئی ہے اور ترقی کرتی رہے گی۔ پھر اب سے تیرہ سو برس کی چیز کو ہم پکڑے بیٹھے رہیں گے تو بالکل ایسا ہو گا جس طرح کوئی کہے کہ ریل پر نہ چڑھو بیل گاڑی ہی پر سفر کیا کرو۔ ملا مولوی کہتے ہیں کہ سرکار صلعم نے فرمایا ہے کہ "دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت رستہ بھٹکانے والی بات ہے" یہ بالکل درست ہے مگر دین کے اصول کو بدلنا منع کیا ہے یعنی آگے کوئی یہ نہ کرے کہ پانچ دفعہ کی بجائے چار ہی وقت کی نماز نہ کر لے۔ قرآن کے تیس پارے کی بجائے یہ نہ کر دے کہ کاٹ چھانٹ کر مختصر کر دے۔ کوئی یہ نہ کرے کہ تیس دن کے روزے آج کل کے زمانے میں کٹھن ہیں لہذا ایک ہفتہ کافی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تبدیلیوں کا نام بدعت ہو سکتا ہے نہ کہ حضورؐ کے وقت میں چونکہ سب اونٹ ہی پر بیٹھ کر حج کو جایا کرتے تھے اس لئے اب بھی ہم کو اونٹ ہی کی سواری پر حج کو جانا چاہیئے اور ریل جہاز وغیرہ کی سواریاں بدعت ہیں۔ اسی طرح فاتحہ، درود، عرس، برسی منانا عنرور بعد کی ہیں مگر ان سے دین کو مدد ملتی ہے نہ کہ کوئی نقصان، فاتحہ میں ہوتا کیا ہے قرآن پڑھتے ہیں اور کچھ کھانے کی چیز غریبوں کو دے دیتے ہیں۔ مرے ہوئے کے نام پر اگر کوئی زندہ خیرات کرے اور دل میں اللہ سے دعا کرے کہ میری اس نیکی کا ثواب فلاں میرے محسن کو عطا فرمائے تو اللہ خوش ہوتا ہے اور ثواب دیتا ہے اس کو وہ ملا مولوی بھی مانتے ہیں، جو فاتحہ درود کو بدعت بتاتے ہیں پھر اس میں کون سی دین کی خرابی ہو گئی۔ فاتحہ کی رسم اس وجہ سے اور بھی اچھی ہے کہ مسلمانوں کو احسان فراموشی کے عیب سے دور رکھتی ہے۔ باپ کو بیٹا سال میں ایک بار اس طرح یاد کر لیتا ہے کہ کچھ

قرآن پڑھ کر بخشش دیتا ہے، کچھ کھانا پکا کر غربا کو کھلا دیتا ہے سارے خاندان کو باپ
دادا کے نام کی یاد دلاتا ہے ان کے احسانات کا اعتراف کرتا ہے۔ اپنے چھوٹوں میں
احسانمندی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ بدعت بھی ہو تو اچھی بدعت ہے۔
اگر ہر بعد کی چیز کو بدعت اور بُری ہی بدعت کہا جائے تو ان سے پوچھو کہ قرآن مجید
کا چھاپنا ان پر زیر زبر لگا کر پڑھوانا۔ جمعہ میں خطبہ کتاب دیکھ کر پڑھنا اور اسی قسم کی
سیکڑوں باتیں بعد کی ایجاد ہیں اور یہ سب بدعت ہیں مگر اچھی بدعت ہیں کیونکہ دین
کو ان سے نفع پہونچا۔ اب رہا بڑے بڑے بزرگوں اور اولیا اللہ کے عرس۔ ان کی
کیا پوچھتے ہو ان میں تو ہزاروں روحانی برکات ہیں جن کو یہ نِرے گوار دیکھ ہی نہیں
سکتے، ان میں تو روحانی لوگ صاحب عرس کو کھلی آنکھوں دیکھتے اور ان سے فیض
حاصل کرتے ہیں بالکل اس طرح جس طرح تم نے کرشن علیہ السلام کے درشن پائے
تھے۔ بھلا جب ہزاروں انسانوں کے خیالات کا مرکز بن کر ایک روح ایک وقت میں
یاد کی جائے تو وہ کیونکر خوش نہ ہوگی اور اُن کے پاس کیوں کر نہ آئے گی؟"

راجہ صاحب۔ واہ گرو مہاراج آپ نے خوب سمجھایا اور میرے من کی شنکا
مٹائی۔ مگر حضور مُلّا لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب شرک ہے اور شرک کی برائی قرآن کریم
میں جگہ جگہ آئی ہے"

شاہ صاحب "بیٹا! مولوی صاحبان کا یہ فرمانا بالکل درست اور صحیح ہے کہ
اسلام شرک کا دشمن ہے شرک کرنے والے کا درجہ بس کافر ہی کے بعد کا ہے اور قرآن
نے بار بار فرمایا ہے کہ مشرک کی بخشش کبھی نہ ہوگی مگر خدا جانے مولوی صاحب کے
یہاں شرک کے کیا معنی ہیں ہم سالکوں کو تو یہ پڑھایا گیا ہے کہ شرک کے معنی ہیں

خدائے تعالیٰ کی خدائی میں کسی کو شریک یا ساجھے دار ماننا یعنی یہ کہ اللہ میاں
اکیلے تنہا خدائی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ کام بہت بڑا ہے اس لئے ان کے اور
مددگار ہیں اگر یہ مددگار مدد نہ کریں تو ان کو خدائی کرنی ناممکن یا مشکل ہو جائے
جس طرح کئی مذاہب میں بھی عقیدہ ہے کہ خدا کے یہاں تقسیم کار ہے۔ ایک خدا
مارتا ہے دوسرا پیدا کرتا ہے یا ایک نیکی کراتا ہے دوسرا بدی کراتا ہے وغیرہ وغیرہ
بس یہ عقیدہ جس کسی کا بھی ہو وہ مشرک ہے، لیکن ہمارا تو یہ عقیدہ اور مذہب
ہے کہ اللہ ایک ہے اس میں مکمل قوت خدائی کی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سب
اس کے محتاج ہیں مگر اپنے خاص بندوں کو جو اس کی یاد میں اپنا تن من دھن
سب ارپن کر چکے ہیں اور اپنی جائز دنیا کو بھی اس کی محبت کے غلبے میں قربان
کر کے بھوکے پیاسے درخت کے پتے کھا کر اور چھیچھڑوں سے بدن چھپا کر دنیا سے
چل دیئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے انعامات عطا فرماتا ہے جو عوام کے جزا و سزا
کے قانون سے بالاتر ہیں یعنی وہ مرنے کے بعد بھی مثل زندوں کے ہیں۔ وہ ان
دنیا والوں کو جو اُن کو یاد رکھتے ہیں امداد دے سکتے ہیں۔ جو اُن کی قربانیوں کا
وسیلہ لیتا ہے وہ اس کو رسول کریمؐ کے دربار تک پہونچا دیتے ہیں اور رسول کریمؐ
ان کے اس ایمانی جذبہ کو اللہ پاک تک پہونچا دیتے ہیں۔
ہمارا یہ کہنا ہے کہ جس طرح عام گنہگاروں کی روحیں بے بس و بیکس اپنے
اعمال کے دارو گیر میں مبتلا ہو کر کسی زندہ کی مدد نہیں کر سکتیں وہ حالت خاص
روحوں کے ساتھ نہیں ہے، اولیا اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایثار کے
انعام میں خاص قوتیں اور اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ البتہ جو لوگ یہ عقیدہ

رکھتے ہوں کہ اللہ برائے بہت ہے جو کچھ ہیں وہ بھی پیر درویش ہیں وہ بے شک مشرک ہے "

راجہ صاحب "واہ حضور آپ نے میرے دل کی تسلی خوب کر دی اللہ آپ کو اور بڑا درجہ دے۔ یہ بدعت و شرک کا وعظ کہنے والے بہت ہی برے ہیں جو مخلوق کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ ان کی ہوا سے بچنا چاہئے "

شاہ صاحب " نہیں نہیں کسی کو بری طرح یاد نہ کرو وہ بیچارے معذور ہیں انکو یہی پڑھایا سمجھایا گیا ہے وہ اپنے نزدیک نیک نیتی سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں اگر اللہ تعالے نیک نیتی پر پھل دیتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالے کے فضل کے امیدوار ہیں اگر تم کسی مولوی کا وعظ شرک و بدعت کے ان معنوں میں سنو تو کہدو ؎

ہجرے اور تیرا منہ واعظ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اگر ایک صفراوی بیماری کا مریض یہ کہے کہ شکر کڑوی ہوتی ہے معذور جانو کیونکہ منہ کا مزا یونہی ہے مگر تم شکر کھانا کیوں چھوڑو۔

اگر کوئی مادرزاد عنین وعظ کرے کہ نکاح کرنا فعل عبث ہے تو اس کو برا بھلا نہ کہو وہ تو اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے مگر اس کی نصیحت پر شادی بیاہ بند نہ کرو۔ یہ بیچارے کھرے واعظ اگر روحانی لذتوں سے آشنا ہو جائیں تو دیکھیں کون برا بری کرتا ہے۔

راجہ صاحب " حضور آپ جیسے بزرگوں کا کام ہے کہ ایسے خشکوں کو تصوف کی چاشنی چکھا دیں "

شاہ صاحب:۔ "ہم اپنا کام چھوڑ کر کہاں جائیں اور ان کو کہاں تلاش کرتے پھریں جس کی قسمت میں ہوتا ہے فقیر کے اڈے لگے آجاتا ہے جس طرح تم ہم تک آگئے۔ تمہاری تقدیر میں یہ نعمت تھی ورنہ ہم تم کو نصیحت کرنے کبھی بھی تمہارے محلوں میں نہ جاتے۔"

طریقت کا چھٹا سبق

راجہ صاحب:۔ "مجھے آتمک گیان (روحانی عقل) دینے والے گرو مہاراج! مجھے نرک کی اگنی (آتش دوزخ) سے بچانے والے مرشد آج میں کوئی پرشن (سوال) نہ کروں گا بس گرو جی کی جو اچھا (خواہش) ہو فرماویں۔ بس میں سنوں گا۔"

شاہ صاحب:۔ "اچھا بیٹا یونہی سہی آج وہی سنو جو مالک مجھ سے کہلوائے۔ تمہاری یہ ادا بھی مجھے پسند آئی۔ میری رائے میں جو بندے اپنے مولا سے کوئی خاص چیز مانگتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو بس یہ دعا کرنی چاہیئے کہ مجھے وہ دے جو تو میرے حق میں مفید جانتا ہو۔ مرید کو بھی چاہیئے کہ پیر سے کوئی خاص فرمائش نہ کرے بلکہ یہ کہدے کہ میں تو آپ کے ہاتھ بک چکا ہوں جس طرح چاہیئے کام میں لایئے۔ طریقت کا حکم بھی یہی ہے کہ طالب اپنے رہنما کے ہاتھ میں اپنے آپ اس طرح دیدے

جس طرح مُردہ غسال یعنی مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جس کروٹ چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے۔ اگر مُردہ اپنی مرضی سے کروٹ لے تو غسال چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

اچھا سُنو!

ایران کے رہنے والے ایک عالم اور درویش شیخ سعدی اب سے بہت برس پہلے گزرے ہیں۔ وہ سادھو بھی تھے اور گیانی پنڈت بھی تھے اپنے دیس ہندوستان میں بھی یاترا (سفر) کر گئے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے جو مدرسوں میں لڑکوں کو پڑھائی جاتی ہے اس کا نام گلستاں ہے اس میں ایک شعر یعنی دوہا بہت مشہور ہے ؂

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جس کا ارتھ یعنی معنی یہ ہوئے۔ پیڑ کی ہری پتیاں ایک ہوشیار یعنی گیانی کی نظر میں الیشور یعنی خدا کو جاننے اور پہچاننے کی ایک بڑی بھاری کتاب یا پستک ہے۔ کہنے کو تو وہ کہہ گئے اور پڑھنے والے پڑھتے بھی ہیں مگر کون ہے جو اس کے صحیح معنی سمجھ کر پڑھتا ہو اور پھر اس کا اثر بھی اس کے دل پر ہو۔ اب میں تم کو سمجھاتا ہوں کہ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے درخت کے ایک پتہ کو خدا کی معرفت کا دفتر کیسے فرمادیا۔

تم نے تو پیپل کے پیڑ کی برسوں پوجا کی ہوگی مگر اس نے تم کو کچھ نہ دیا اسکی بجائے تم اس کا ایک پتا توڑ کر ہاتھ میں لو اور غور کرنا شروع کرو۔ اس کو کس مقراض یا قینچی نے ایک حساب سے خوبصورت بناتے ہوئے گولائی لئے ہوئے کاٹا ہے پھر اس میں حسن بڑھانے کی غرض سے آخر میں ایک پتلی سی دُم لگائی ہے

پتّے کا ایک رُخ تو سادہ ہے دوسری طرف ایک وارنش بھی چڑھا دیا ہے جس سے چمک پیدا ہو گئی ہے اور ایسی چمک جو کبھی ماند نہ ہو خواہ اس پر کتنا ہی پانی پڑا کرے۔ اب آگے چلو دیکھو کہ اس پتے کے اندر کس انتظام اور کاریگری سے جال پھیلایا ہے۔ ایک موٹی رگ سیدھی ہے پھر اس کے آس پاس چھ موٹی رگیں ہیں ان چھ رگوں کے ماتحت اور بہت سی رگیں ہیں اور سب ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں ان سب پر ایک مسالہ ہے اور اس پر رنگ اور رنگ پر پالش لگا ہوا ہے۔ آخر یہ کاریگر کون ہے جس نے انتہائی سوچ بچار اور مشق کے بعد پیپل کا ایک پتا بنایا اور ایک درخت میں ایسے ہزاروں پتے بیک وقت بنا کر لگا دیئے۔ پھر ان میں بڑھنے یعنی نشوونما پانے اور زندہ رہنے کی ایک قوت بھی دیدی اور ایسی قوت جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہ آئی پھر ان پتّوں کو تر و تازہ رکھنے کو خون کی جگہ پانی دوڑایا اور پانی کہاں سے زمین کی گہرائی سے اور وہ اوپر کیسے چڑھا کیونکہ کوئی ایسا پمپ نظر نہیں آیا جو نیچے کے پانی کو اوپر کسی طاقت سے پھینکتا پھر وہ پانی حسب ضرورت حساب سے درخت کے ہر حصے میں پہونچا سب کو تری اور تازگی دی۔ درخت کی جڑوں کو یہ ہنر سکھا دیا کہ وہ زمین کی نمی کو کھینچکر درخت کے تنے تک لائیں اور درخت کے تنے کو یہ کام دیا کہ وہ پمپ بن کر اس پانی کو اوپر پھینکتے رہیں تاکہ درخت کی کوئی شاخ۔ شاخ کی ڈالی، ڈالی کا کوئی پتا، پتّے کی کوئی رگ کسی وقت پیاسی نہ رہ جائے۔ اب اس درخت سے انسان کو کیا کیا نفع پہونچے۔ اس کو کون بیان کرے۔ ایک مرید نے پیپل کے درخت کے

ایک سو ایک نسخے مجھے بتائے تھے ان کا فرمانا تھا کہ بہت سی مہلک بیماریاں اس سے جاتی ہیں۔ یہ بھی کہا تھا کہ اس درخت میں عجیب بات یہ بھی ہے کہ اگر اس کا بیج کسی سنگین دیوار پر اُگ آئے تو وہ مٹی اور زمین کے سہارے بغیر زندہ رہتا اور بڑھتا ہے حتیٰ کہ قلعہ کی دیواروں کو پیپل کی جڑوں نے پھاڑ کر رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ پیپل کے پتّے ہواہیں سے نمی لے کر اپنی شادابی کو برقرار رکھتے ہیں وہ اور درختوں کی طرح زمین کے اندر کی نمی کا محتاج نہیں ہے۔ وید راج نے کہا کہ اس درخت کے عجائبات دیکھ کر ہندؤں کی بھولی بھالی قوم نے دیوتا مان کر پوجنا شروع کر دیا۔

اب تم ہی بتاؤ کہ پیپل کو پانی چڑھانے کے عوض اگر وہ غور کرتے کہ پیپل کا بنانے والا کاریگر کوئی ضرور ہے جس نے پیپل کو پیدا کیا اور نہ پیدا کیا بلکہ اسے پانی بھی دے رہا ہے اور پھر آگے وہ نباتات کی اور قسم قسم کی رنگارنگی پر غور کرے " تو وہ اللہ اکبر اللہ اکبر پکارتے ہوئے جنگل کو بھاگ جائے یا پھر سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہوا زمین پر ناک رگڑنے لگے اور سعدی صاحب کا فرمانا صحیح ہو جاتا کہ درخت کا ہر پتّا خداشناسی کا ایک دفتر ہے۔

راجہ جی! درختوں اور اُن کے پتّوں کو جانے دو۔ خود اپنے ہاتھ پاؤں سر، بال، ناخون اور رواں رواں کو دیکھو اور غور کرو تمہارا جسم، اس میں جان، اس کی پرورش، اس کا نظام، اس کا فنا اور بقا سمجھائے خود ایک دفتر ہے۔ انسان اور غافل انسان اسی پر غور کر لیا کرے تو معرفت

حق کو کافی ہے۔ ہمارے سرکار صلعم نے جبھی تو فرمایا ہے مَن عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو جانا اس نے اپنے رب کو جان لیا اسی لحاظ سے صوفی بزرگوں نے کہا ہے خود شناسی عین خدا شناسی ہے

تم کہو گے یوں تو ساری دنیا خدا شناس ہے کیونکہ جس سے پوچھو کہ درخت کو کس نے اگایا وہ کہہ دے گا خدا نے، اللہ نے، ایشور نے، گاڈ نے۔ مگر خالی کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے غور اور فکر (جس کا دوسرا نام اصطلاح صوفیا میں مراقبہ بھی ہے) سے ایمان اور ایقان کی روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس روشنی کی چکا چوند سے اہل طریقت گھبرا کر پکار اٹھتا ہے ؎

ہر ذرہ آئینۂ حسن یار ہے   آخر کروں میں ناصیہ سائی کہاں کہاں

بعض پوکھلا کر "ہمہ اوست" اور بعض "ہمہ از وست" کہہ اٹھتے ہیں۔ قرآن پاک میں تم پڑھو گے کہ جگہ جگہ غور اور تدبر کا حکم آیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے تم زمین، آسمان، سورج، چاند، ستاروں اور دنیا وما فیہا کے وجود اور ساخت پر غور و فکر کیا کرو۔ صوفیائے کرام نے قرآن کریم کی آیۂ "وھو فی انفسکم افلا تبصرون" کی تفسیر یہی کی ہے یعنی اللہ میاں تو تم میں موجود ہیں کیا تم کو نظر نہیں آتے؟

بیٹا! علمائے شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کیا کرو اس کی ذات پر فکر نہ کرو کیونکہ تمہاری عقل و سمجھ سے بالاتر ہستی ہے اس لئے تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی بلکہ خوف ہے کہ کہیں تم بہک کر دہریہ

نہ ہو جاؤ اور تمہارا علم تمہارا حجاب بن کر تم کو تباہ نہ کر دے۔ انہیں معنوں میں العلم حجاب الاکبر (علم ایک پردہ ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان میں حائل ہے) کہا گیا ہے۔

بیٹا! اس زمانے میں بھی لوگ سائنس اور فلسفہ پڑھ کر اللہ کے منکر ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جاہل دنیا کہتی ہے کہ اللہ یا ایشور بندوں کی کھیتی سرسبز کرنے کو آسمان سے پانی برساتا ہے حالانکہ سمندر کا پانی آفتاب کی گرمی پا کر بھاپ بن کر اوپر جاتا ہے وہاں سردی پا کر پھر پانی بن کر برس پڑتا ہے۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ پانی کو کس نے بنایا اس میں یہ اثر کس نے ڈالا کہ گرمی پا کر ہوا پر اڑ جایا کرے اور پھر سردی پا کر برس پڑے۔ اگر وہ کہیں کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن نامی بخارات ملکر پانی بن جاتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ ان بخارات اور ان کی آمیزش میں یہ اثر کس نے دیا۔ تم تینوں میں نہ پھر دو جڑ تک ٹٹولتے چلے جاؤ گو ہر مقصود ہاتھ آ جائے گا۔ ان سائنس دانوں کو آخر میں علت العلل کو ماننا ہی پڑتا ہے جس کو وہ نیچر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے بعد بھی جو ہستی کوئی مانے اسی کا نام خالق و مالک اللہ پاک ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ رباعی ؎

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے نہ بن آیا تیرا

راجہ صاحب ۔ حضور والا۔ کل حلقۂ مولویان میں اس پہ بحث تھی

کہ گانا سننا حرام ہے یا حلال۔ دونوں جماعت دیر تک لڑتی رہیں مگر کسی نے کسی کا استدلال قبول نہ کیا۔ میں حضور کے منہ سے کچھ سننا چاہتا ہوں تاکہ میرا دل ڈانواڈول نہ رہے۔

شاہ صاحب ۔ بیٹا! اختلاف رائے دنیا میں ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی اس کو ختم نہ کر سکا اس لئے بڑے بڑے عقل والوں اور وِدوانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جس مالک نے رنگا رنگی دنیا رچی ہے اسی کی مرضی ہے کہ اختلاف رائے بھی باقی رہے اور اس کی خوشی اسی میں ہے کہ اس کے باغ میں رنگ برنگ کے پھول کھلے رہیں اور اس کے ملنے کی بے شمار راہیں باقی رہیں ورنہ وہ سروشکتی مان یا قادر مطلق جہاں سب کچھ کر سکتا ہے یہ بھی کر دیتا کہ سب ایک خیال ہو کر اس کو پوجتے۔ اسی خیال کے ماتحت اب بڑے بڑے عالموں کی ایک جماعت اس خیال پر متحد ہو گئی ہے کہ جو راستہ جس کے پسند ہو اس پر قائم رہتے ہوئے باہمی زندگی صلح و آشتی۔ اتحاد و اتفاق۔ محبت اور رواداری باہمی سے گزاری جائے۔ کوئی کسی کی دل آزاری اور عیب جوئی نہ کرے ہاں اگر کسی کو اپنا راستہ پسند نہ ہو اور وہ دوسری راہ کی تلاش میں ہو تو وہ بغرض تحقیق دوسروں کی راہ کے متعلق کچھ پوچھ اور سمجھ سکتا ہے بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہم صوفیا کا بھی یہی مذہب ہے جبھی تو تم میرے منہ سے ایسے اشعار سنتے ہو جو میرے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ میں پڑھا کرتا ہوں ؎

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا — کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

یا یہ کہ ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام — با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

یا یہ کہ ؎

وحدت کا ہے موجزن سمندر تیرا — مسجد بھی تری، دیر بھی، مندر تیرا
کھل جائیں اگر دیکھنے والی آنکھیں — ہر گھر میں تجھے پا سکے قلندر تیرا

یا یہ کہ ؎

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

یا یہ کہ ؎

حرم و دیر کے جھگڑے تری چھپنے سے ہوئے — تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

یا یہ کہ ؎

ہر ایک ذرہ آئینۂ حسنِ یار ہے — آخر کروں میں ناصیہ سائی کہاں کہاں

راجہ صاحب۔ حضور! بات میں بات یہ اور پیدا ہو گئی۔ اس سے تو یہ مطلب نکلا کہ جیسے سب راستے صحیح اور حق ہیں تو پھر تبلیغ کا راستہ کیوں کھلا رکھا جائے۔ کیونکہ تبلیغ میں اپنی راہ کی خوبی اور دوسرے کا نقص بتانا ہی پڑے گا۔

شاہ صاحب۔ راجہ جی! یہ میں نے کب کہا کہ اپنی چیز کی خوبیاں بیان نہ کرو۔ میں تو اس کا مخالف ہوں کہ دوسروں کے عیب بیان کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔ دیکھو تم کو اسلامی تصوف پسند ہے تم اس پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے روبرو اس کی خوبیاں بیان کر سکتے ہو اگر کسی کو پسند آئے تم میں مل جائے بس کافی ہے۔ جھگڑے فساد، نکتہ چینیوں، عیب بینیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی چیز پسند ہے۔ کوئی اپنے رہنماؤں (جن پر اس کا عقیدہ ہے) کی نسبت برائی سننا پسند نہ کرے گا۔ آنچہ بر خود نہ پسندی بدیگراں ہم مپسند۔ اپنا سا حال دوسروں کا سا جانو۔ بس اخلاق کے جانچنے کی یہی ایک کسوٹی ہے۔ قرآن پاک نے بھی "لکم دینکم ولی دین" کہہ کر اشارہ فرما دیا ہے۔

راجہ صاحب۔ حضور! قرآن مجید میں یہ بھی تو ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ مار ڈالو۔ یہ کیا؟

شاہ صاحب۔ ہاں ہاں ہے۔ موقع موقع کی چیز ہے۔ جب کافرینی اللہ رسول کو نہ ماننے والے یا غیر مسلم آمادہ بجنگ ہوئے اور اللہ کے ماننے والوں کا جینا دشوار کر دیا تو تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق مسلمانوں کو بھی میدان میں آنا پڑا۔ جب باقاعدہ جنگ چھڑ گئی تو اس وقت یہی مارشل لا جاری ہوا کہ دشمن کو جہاں پاؤ مار ڈالو۔ ساری دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوگا۔ جب دو بادشاہوں میں لڑائی چھڑ جاتی ہے تو امن و امان کے سارے قانون برائے چندے منسوخ ہو جاتے ہیں اور اس وقت وہ سب کچھ جائز ہو جاتا ہے جو امن و امان کے زمانہ میں ناجائز تھا جب لڑائیاں ختم ہوئیں تو یہی حکم ہوا کہ اے رسول تم کہہ دو کہ نہ تم ہمارے سے بن سکتے ہو

اور نہ ہم تم جیسے تو بس جھگڑا ختم کر دو تم اپنی راہ ہم اپنی راہ۔ لکم دینکم ولیدین ؁
راجہ صاحب۔ میرے بادشاہ مالک آپ کو میری تعلیم کے لئے مدتوں سلامت
رکھے میرے من کو پوری شانتی مل گئی ہے اور جو وہم میرے دل میں کبھی اور وقت پیدا ہوا
تھا وہ بھی دور ہو گیا مگر حضور میرا اصلی سوال راگ سننے کا اس میں غائب ہو گیا۔
شاہ صاحب۔ ہاں ہاں مجھے یاد ہے میں کوشش کروں گا کہ تھوڑے لفظوں
میں تم کو سمجھا دوں اور اس طرح ایک بڑا سمندر ایک لوٹے کے اندر داخل ہو جائے
سنو اور غور سے سنو۔

اختلاف رائے کی بابت تو تم سمجھ ہی گئے ہو۔
علمائے اسلام میں بھی دو گروہ ہیں اور مدتوں سے ہیں۔ ایک راگ کو حرام اور
اخلاق کش کہتا ہے۔ وہ نظیر میں قرآن و حدیث، بزرگان دین کی زندگیاں پیش
کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ راگ یا گانا سننے سے اخلاق بگڑتے ہیں
اور شیطان کے پھندے آسانی سے دلوں پر پڑتے ہیں لہذا وہ حرام ہے۔
دوسرا فریق بھی ویسے ہی زور دار استدلال پیش کرکے اس کے جواز اور اباحت
پر زور دیتا ہے۔ وہ بھی کہتا ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص موقعوں
پر مدینہ کی لڑکیوں کے گانے سنے ہیں ان کی روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے جب
ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو مدینہ کی عورتیں اور لڑکیاں دف بجا کر حضورؐ
کا خیر مقدم گاتی رہیں۔ ایک بار عید کی خوشی میں جب لڑکیاں کچھ گا رہی تھیں تو حضرت
عمرؓ نے سختی کے ساتھ روکا تو حضور صلعم نے فرمایا۔ عمر! آج عید کا دن ہے اللہ کی حمد
ہے ان کو نہ روکو گانے دو وغیرہ وغیرہ۔ صوفیائے کرام جن میں اکثر علمائے علوم شرعی